ماهنامہ صراطِ مستقیم برمنگھم

April 2023

وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد

مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ

مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ

Vol: 43 No. 06 April 2023

Ramzan/ Shawal 1444 AH

جلد: 43 شمارہ: 06 اپریل 2023ء

رمضان/شوال: 1444ھ

فہرست مضامین

Correspondence Address:
SIRAT-E-MUSTAQEEM
20 Green Lane, Small Heath,
Birmingham B9 5DB
Tel: 0121 773 0019
Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ

Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK

www.mjah.org.uk/siratemustaqeem

E-mail: info@mjah.org.uk

پہلا خطبہ

ہر طرح کی حمد وثنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے۔ ہم اسی کی حمد وثنا بیان کرتے ہیں، اسی پر بھروسہ اور اعتماد کرتے ہیں اور اسی سے معافی مانگتے ہیں۔ اپنے نفس کے شر سے اور اپنے برے اعمال سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمادے، اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے، تو اس کے لیے کوئی رہنما نہ پاؤ گے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ واحد و یکتا ہے۔ اکیلا اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔ بیوی اور اولاد سے بالا تر ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا، نہ کسی نے اُس کو جنا، نہ اس کا ہم پلہ یا برابری والا کوئی ہے۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں۔ اللہ کی رحمتیں ہوں آپ ﷺ پر، اہل بیت پر، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر، آپ ﷺ کے رسول اور نبی بھائیوں پر، جنہیں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے بشارت دینے اور خبر دار کرنے والا بنا کر بھیجا، تو انہوں نے توحید کی دعوت دی، اللہ کے لیے عبادت کو خالص کرنے کی طرف بلایا، لوگوں کو شرک اور ہلاکت خیز باطل عقائد کی طرف جانے والے راستوں سے متنبہ کیا، مناسب طریقے سے ان سے بحث مباحثہ کیا، اس طرح وہ لوگوں پر اللہ کی حجت بن گئے۔

بعد ازاں! اے مسلمانو! اللہ سے ڈرو، نصیحت کرنے والوں کی نصیحت قبول کرو، وعظ کرنے والوں کے وعظ سے فائدہ اٹھاؤ، یاد رکھو کہ یہ علم دین ہے، تم اپنے کاموں پر غور کرو کہ تم کیا کر رہے ہو، کس سے سیکھ رہے ہو، کس کے نقشِ قدم پر چل رہے ہو، دین کے معاملے میں کس پر اعتماد کرتے ہو۔ اللہ سے یوں ڈرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے، کیونکہ پرہیز گاری میں ساری خیر ہے، اس کی پکڑ اور سزا سے ڈرو، کیونکہ وہ بہت دردناک اور تکلیف دہ ہے۔ اس کی مغفرت اور خوشنودی پانے کے لیے مقابلہ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک عظیم کام کے لیے پیدا کیا ہے، تمہیں ایک اہم چیز کے لیے تیار کیا ہے، تمہیں اس لیے پیدا کیا ہے تاکہ تم اسے پہچانو اور اس کی عبادت کرو، اس نے تمہیں اپنی توحید اور فرمان برداری کا حکم دیا ہے، پھر تمہارے لیے ایک وقت مقرر کیا ہے، جس میں تم فیصلے کے لیے اللہ کے پاس جمع ہو جاؤ گے، تب اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں فیصلہ فرمائے گا، تو اس شخص کی بد بختی کی کوئی انتہا نہیں جسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے خارج کر دے جبکہ وہ ہر چیز کے لیے کشادہ ہے، اس جنت سے نکال دے جس کی چوڑائی اتنی ہے جتنی آسمان وزمین کے درمیان فاصلہ، روزِ قیامت امن وامان میں وہی ہو گا جو دنیا میں اللہ سے ڈرنے اور پرہیز گاری اپنانے والا ہو گا، جس نے بہت سے منافع کے ساتھ تھوڑی سے چیز کو بیچ ڈالا ہو گا، جس نے فنا ہونے والی چیز کے بدلے ہمیشہ رہنے والی چیز کو خرید لیا ہو گا، جس نے اپنی بد بختی کی جگہ اپنی سعادت کو پسند کر لیا ہو گا۔ یاد رکھو کہ دلی سکون اور اطمینان کے ایک ذریعہ، جس سے پریشانیاں اور تمام تر غم دور ہو جاتے ہیں، اور جس سے انسان کو اچھی زندگی، سرور اور خوشی نصیب ہوتی ہے، وہ ایمان باللہ، نیک عمل اور قول و عمل میں مخلوق کے ساتھ احسان کرنا ہے، ہر اس کام کو اختیار کرنا ہے جسے نیکی سمجھا جاتا ہو۔

اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے لیے اسلام کو شریعت کے طور پر منتخب فرمایا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نگہبانی کرتا ہے، ان سے محبت کرتا ہے، ان سے خوش اور راضی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ﴾

(سورۃ المائدۃ: 3)

”آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔“

یہ آیت قرآن کریم کی ان آیات میں شامل ہے جو سب سے آخر میں نازل ہوئیں، جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں بتایا ہے، کہ اس نے امتِ محمد ﷺ کے لیے دین کو مکمل کر دیا ہے، انہیں اپنی کامل نعمت سے نوازا ہے، اور ان کے لیے دینِ اسلام پسند کیا ہے۔ اللہ نے اس امت کے لیے اس دین کو مکمل کیا، اس کی صورت میں انہیں نعمتِ کاملہ عطا فرمائی، اسی لیے اہلِ کفر اس بات سے مایوس ہو گئے کہ وہ اس دین میں کوئی تبدیلی واقع کریں، یا اس میں کوئی بیشی یا تحریف کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ کامل رہے گا، اور ہمیشہ باقی رہے گا، اسی لیے اس نے اس کی حفاظت و نگہداشت کی ذمہ داری بھی خود لی ہے۔ فرمایا:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾

”ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“ (سورۃ الحجر: 9)

اللہ تعالیٰ نے اپنی واضح آیات میں یہ بتایا ہے کہ محمد ﷺ کا پیغام انتہائی جامع اور ہمہ گیر ہے، اسی پر آسمانی پیغامات کا اختتام ہوا، اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک، چنیدہ، مقرب اور اللہ کے ہاں اعلیٰ مقام رکھنے والے نبی کو بھیجا، تاکہ وہ یہ پیغام انسانوں اور جنوں تک پہنچا دیں۔ لوگوں کو بشارتیں دیں اور خبر دار کریں، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سارے

جہانوں کے لیے رحمت اور سراج منیر بنا کر بھیجا، آپ ﷺ پر وہ کتاب نازل کی جو گزشتہ کتابوں کی تصدیق بھی کرتی ہے اور ان کی تکمیل کرنے والی بھی ہے۔ وہ وحی نازل فرمائی جو عقل اور فطرتِ سلیمہ سے مخاطب ہوتی ہے، جو زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی کرتی ہے، انفرادی اور خاندانی زندگی کے بارے میں رہنمائی کرتی ہے، معاشرے اور ریاست کے معاملات میں بھی رہنمائی کرتی ہے۔ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے انسان کا اس کے خالق کے ساتھ تعلق بھی درست کیا ہے، مسلمانوں کے باہمی رابطے کے اصول وضوابط بھی وضع کیے ہیں، اور اغیار کے ساتھ طریقۂ برتاؤ کے بارے میں بھی رہنمائی فرمائی ہے۔ یہاں تک کہ جانوروں کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں بھی احکام صادر فرمائے، بلکہ کائنات کی ہر بولنے والی اور خاموش چیز کے بارے میں بتایا، بہت سے مسائل کا علاج پیش کیا، چھوٹے اور بڑے، تمام معاملات میں نظام اصول وضوابط وضع کیے، حتیٰ کہ قضائے حاجت کا طریقہ بھی بتایا، تو جس نے آسمان کے آخری دستور کو نازل کیا ہے، اور اسے گزشتہ پیغامات کا ناسخ بنایا ہے، وہ وہی ہے جس نے کائنات کو تخلیق کیا ہے اور جو جانتا ہے کہ اس میں کیا کچھ ہو چکا ہے، کیا کچھ ہو گا، کون کون سی ایجادات سامنے آئیں گی اور کیسی کیسی ترقی ہو گی، کون کون سی ضرورتیں لوگوں کو پیش آئیں گی، اسی لیے اس نے اپنے دستور کو اتنا کشادہ رکھا کہ تمام تر احتمالات میں بھی نظام عدل قائم کرنا ممکن رہے تقویٰ اور پرہیز گاری کو اپنانا ممکن رہے۔ اس لیے کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ یہ تصور کرے کہ یہ دین جامع نہیں ہے، یا اسے تکمیل کی ضرورت ہے، یا اس میں کمی یا زیادتی کی گنجائش ہے، یا اس کے احکام کو مزید منظم یا مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ تصور بالکل غلط تصور ہے جو حقیقتِ اسلام کے بالکل خلاف ہے۔ اس لیے امتِ مسلمہ کا فرض ہے کہ وہ نعمتیں دینے والے کا شکر ادا کریں، پوری ہمت اور لگن کے ساتھ اپنے پروردگار کے حقوق ادا کرے، اللہ کے انتخاب اور اسے خوش کرنے والے دستور پر راضی ہو جائے۔ پورے عزم وہمت کے ساتھ اپنے اس دین پر استقامت اختیار کرے جسے رب تعالیٰ نے اس کے لیے پسند کیا ہے، اسے اپنی مضبوط داڑھوں سے پکڑ لے۔

اے اللہ کے بندو! اسلام اللہ کا وہ دین ہے جس کے علاوہ اللہ کوئی دین قبول نہیں کرتا، اس میں رب العالمین نے دنیا وآخرت کا کمال اور سعادت رکھی ہے، اس لیے بندے کو چاہیے کہ اپنے صحیح اور راسخ عقیدے کے مطابق اللہ کی عبادت کرے، اس کی عبادت بجالائے، اس کے احکام پر عمل کرے اور اس کے تجویز کردہ اخلاق وآداب کو اپنائے رکھے۔ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں شیطان مردود سے! اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے۔

﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾

”اور جو اسلام کے علاوہ کوئی بھی دین تلاش کرے گا تو وہ دین اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ قیامت کے دن خسارہ پانے والوں میں ہو گا۔“(سورۃ آل عمران:85)

اے اللہ! ہمیں قرآن عظیم سے برکت عطا فرما، اس میں آنے والی آیات اور ذکر حکیم سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے! ہمیں سیدھا راستہ دکھا، ہماری توبہ قبول فرما! یقیناً! تو توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو بخش دے، یقیناً! تو معاف کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

ہر طرح کی حمد وثنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے۔ ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہی دن اور رات کا نظام چلانے والا ہے، مہینوں اور سالوں کو پھیرنے والا ہے، ہر لحاظ سے وہی کامل ہے، وہی بادشاہ ہے، انتہائی پاکیزہ اور سراسر سلامتی ہے۔ میں اس کی ایسی حمد وثنا بیان کرتا ہوں جو ہمیشہ باقی رہے، اس کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہوں، شرک، بتوں اور بت پرستی سے بے زاری کا اعلان کرتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ آپ ﷺ رمضان المبارک میں باقی مہینوں سے بڑھ کر نمازیں پڑھتے، تلاوت کرتے، صدقات کرتے، نیکی اور احسان کرتے۔ اے اللہ! رحمتیں نازل فرما، آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کی آل پر اور پاکیزہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر، جنہوں نے رضائے الٰہی کو اپنے نفس کی خواہشات پر مقدم رکھا، دنیا سے رخصت ہوئے تو اجر کے ساتھ ہوئے، اللہ کے ہاں ان کی کاوشیں قابلِ قدر ٹھہریں۔ اے اللہ! ان سب پر قیامت تک جاری رہنے والی سلامتی بھی نازل فرما!

بعد ازاں! اے مسلمانو! اللہ سے ڈرو۔ یاد رکھو کہ تھوڑے ہی دن بچے ہیں، جن کے بعد ہم نیکی کے موسم کا استقبال کر رہے ہوں گے، جس میں مقابلہ کرنے والے خوب مقابلہ کرتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی معزز مہمان ہے، ایک قابلِ قدر مہمان ہے، جس کے لیے دل بیتاب ہیں، نفس اس کی راہ تک رہا ہے۔ یہ مہمان ماہِ رمضان ہے، جو کہ صیام وقیام اور آگ سے بچاؤ کا مہینہ ہے، نیکی، سخاوت اور احسان کا مہینہ ہے، طرح طرح کی نیکیوں اور قربتوں کا مہینہ ہے۔ اہلِ ایمان اس کی آمد سے خوش ہوتے ہیں، ایک دوسرے کو اس کی مبارک باد دیتے ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إذا كان أوّلُ لَيلةٍ من رَمَضانَ صُفِّدَتِ الشّياطينُ، ومَرَدةُ الجِنّ، وغُلِّقَتْ أبوابُ النّارِ، فلم يُفتَحْ منها بابٌ، وفُتِحَتْ أبوابُ الجِنانِ، فلم يُغلَقْ منها بابٌ، ونادى مُنادٍ: يا باغِيَ الخَيرِ أَقْبِلْ، ويا باغِيَ الشّرِّ أَقْصِرْ، ولِلّهِ عُتَقاءُ منَ النّارِ" (رواه الترمذي).

”جب رمضان کی پہلی رات آجاتی ہے تو شیطانوں اور سرکش جنوں کو قید کر دیا جاتا ہے، آگ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی کھلا نہیں رہتا۔ جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی بند نہیں رہتا۔ ایک پکارنے

والا پکارتا ہے: اے نیکی کرنے والے! آگے بڑھ۔ اور اے برائی کا ارادہ رکھنے والے! رک جا!، اس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آگ سے محفوظ فرماتا ہے۔"

سلف صالحین چھ ماہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے تھے کہ اللہ انہیں ماہِ رمضان نصیب فرما دے، پھر جب وہ اسے پالیتے تو اگلے چھ ماہ اللہ سے یہ دعا کرتے کہ اللہ اس میں کی جانے والی عبادتوں کو قبول فرمائے۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود سے پوچھا گیا: ہم رمضان کا استقبال کیسے کریں؟ آپ نے فرمایا: "ہم میں سے کوئی یہ جرات نہیں کرتا تھا کہ رمضان کے چاند کا استقبال کرتے وقت اس کے دل میں اپنے مسلمان بھائی کے لیے ذرہ برابر بھی برا خیال ہو۔" تو اللہ سے دعا کیا کرو کہ وہ آپ کو ماہِ صیام نصیب فرمائے۔ نعمتوں کا فائدہ اٹھاؤ کہ اب تم تندرست بھی ہو اور نیکیاں کر بھی سکتے ہو، کیونکہ بہت سے مسلمانوں نے تمنا کی تھی کہ انہیں رمضان مل جائے، تاکہ وہ اس میں محنت سے عبادتیں کریں، مگر ان کی عمریں اس سے پہلے ہی ختم ہو گئیں، بہت سے مسلمان ایسے بھی ہیں جو یہ تمنا کرتے ہیں کہ وہ روزہ رکھ سکیں اور تہجد پڑھ سکیں، مگر وہ اپنی بیماری کے باعث اس سے قاصر ہیں۔ بہت سے لوگوں پر شیطان بھی غالب آچکا ہے، جو اپنی زندگی میں پریشان ہیں۔ انہیں کچھ سمجھ نہیں آتا۔ بہت سے مسلمانوں کی آنکھیں نم رہتی ہیں کہ وہ بیت اللہ کی زیارت نہیں کر سکتے، اور کتنے ایسے لوگ ہیں جن کی خواہشات ان پر چھا چکی ہیں، اور انہیں غفلت اور بھول میں ڈال چکی ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ہم مسلمان ہیں، مگر وہ شعائر اسلام ادا نہیں کرتے۔ تو اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو، اللہ اور اس کے رسول کی فرمان برداری میں محنت کرو، امن وسلامتی کی نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ تم اللہ کے گھروں میں اپنے شعائر کو پوری عزت اور فخر کے ساتھ ادا کرتے ہو۔ بیماری سے پہلے تندرستی کو غنیمت جانو، فقر وفاقہ سے پہلے مال داری کو غنیمت جانو، بڑھاپے سے پہلے جوانی کو غنیمت جانو، موت سے پہلے اپنی زندگی کو غنیمت جانو۔ مصروفیت سے پہلے اپنی فراغت کو غنیمت جانو، میں آپ کو ماہِ مبارک کے آداب کا خیال کرنے کی اور اس کا احترام کرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ اس کا حق ادا کرو، اللہ کی رحمت اور اس کے احسانات کو پانے کی کوشش کرو، کیونکہ یہ مہینہ ایسا موقعہ ہے جو چھوٹ جائے تو اس کا تدارک ممکن نہیں رہتا۔ عین ممکن ہے کہ کسی کو ایسا مہینہ دوبارہ نصیب ہی نہ ہو۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں یہ ماہ نصیب فرمائے، اس میں ایمان اور اجر کی نیت سے روزہ رکھنے اور تہجد گزاری کی توفیق عطا فرمائے، ہمیں جہنم کی آگ سے بچائے جانے والوں میں شامل فرمائے، اللہ کی رحمت اور خوشنودی سے کامیاب ہونے والوں میں شامل فرمائے۔ ہم سے اور تمام مسلمانوں سے قبول فرمائے۔

اے اللہ! تو نے ہم پر کچھ فرائض عائد کیے ہیں، تو ان فرائض کی ادائیگی میں ہماری مدد بھی فرما۔ ہمارے نبی کریم ﷺ پر کثرت سے درود وسلام بھیجو، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں آپ کو یہی حکم دیا ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (سورۃ الأحزاب: 56)

"اللہ اور اس کے ملائکہ نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔"

اسی طرح فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

"مَنْ صَلَّى عَلَيَّ مَرَّةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْرًا".

"جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے"

اے اللہ! رحمتیں، برکتیں اور سلامتیاں نازل فرما، اپنے بندے اور رسول، محمد ﷺ پر، اے اللہ! خلفائے راشدین سے راضی ہو جا! وہ اصحاب ہدایت ائمہ، جو حق کے مطابق فیصلے کرتے اور اسی کے مطابق عدل کرتے تھے۔ سیدنا ابو بکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان اور سیدنا علی سے، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے، آپ ﷺ کے پاکیزہ اہل بیت سے، تابعین سے اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر چلنے والوں سے راضی ہو جا۔ اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! اپنا خاص فضل و کرم اور احسان فرما کر ہم سب سے بھی راضی ہو جا۔

اے اللہ! اسلام اور مسلمانوں کو عزت عطا فرما! شرک اور مشرکوں کو رسوا کر دے! اے اللہ! ہمیں ہمارے ملکوں میں امن نصیب فرما! ہمارے حکمرانوں اور اماموں کی اصلاح فرما! حق کے ساتھ ہمارے حکمران اور امام کی تائید فرما۔ اے اللہ! اسے ہدایت کی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرما! اس کے اعمال اپنی رضا کے مطابق بنا۔ اے اللہ! اسے اور اس کے ولی عہد کو ان کاموں کی توفیق عطا فرما جن سے تو خوش اور راضی ہوتا ہے، انہیں نیکی اور پرہیز گاری کی طرف لا۔ اے اللہ! تمام مسلمان حکمرانوں کو اپنی کتاب پر عمل کرنے، اپنی شریعت نافذ کرنے اور اپنے نبی ﷺ کی سنت پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔

اے اللہ! تو ہی اللہ ہے! تیرے سوا کوئی الہ نہیں! تو بے نیاز ہے اور ہم فقیر اور محتاج ہیں۔ اے اللہ! ہم پر بارش نازل فرما اور ہمیں مایوس نہ فرما! اے اللہ! ہم پر بارشیں نازل فرما! اے اللہ! ہم تجھ سے معافی مانگتے ہیں! تو معاف فرمانے والا ہے! ہم پر آسمان کی موسلا دھار بارش نازل فرما!

اللہ کے بندو!

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُون﴾

"اللہ عدل، احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔ بدی، بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے، تاکہ تم سبق لو۔" (سورۃ النحل: 90)

اللہ عظیم و جلیل کو یاد کرو، وہ تمہیں یاد رکھے گا۔ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو، وہ تمہیں مزید عطا فرمائے گا۔ اللہ کا ذکر تو سب سے بڑی چیز ہے۔ اور اللہ آپ کے اعمال سے باخبر ہے۔

☆☆☆

شان رمضان

رمضان المبارک وہ مقدس مہینہ ہے جس میں ہر مسلمان (صبغۃ اللہ) کی تفسیر بنتے ہوئے اللہ کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں مساجد ومدارس میں بہار کا سماں ہوتا ہے ویسے تو اسلامی مہینے سب فضیلت کے حامل ہیں مگر رب تعالیٰ نے قرآن مجید اس ماہ مبارک میں نازل کرکے اس کی فضیلت کو زیادہ عیاں کر دیا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ 0 أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ ۚ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (سورۃ البقرۃ:183-184)

"یہ روزے) چند دن ہیں گنتی کے، پس جو ہو تم میں سے بیمار یا سفر پر تو (وہ) گنتی پوری کرے دوسرے دنوں سے اور ان لوگوں پر جو طاقت رکھتے ہوں اس کی (اور نہ رکھیں) فدیہ ہے ایک مسکین کا کھانا پس جو خوشی سے کرے (زیادہ) بھلائی تو وہ بہتر ہے اس کے لیے اور یہ کہ تم روزہ رکھو (تو) زیادہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر ہو تم جانتے۔ یہ روزے) چند دن ہیں گنتی کے، پس جو ہو تم میں سے بیمار یا سفر پر تو (وہ) گنتی پورے کرے دوسرے دنوں سے اور ان لوگوں پر جو طاقت رکھتے ہوں اس کی (اور نہ رکھیں) فدیہ ہے ایک مسکین کا کھانا پس جو خوشی سے کرے (زیادہ) بھلائی تو وہ بہتر ہے اس کے لیے اور یہ کہ تم روزہ رکھو (تو) زیادہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر ہو تم جانتے۔"

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ﴾ (سورۃ البقرۃ:185)

"رمضان وہ ماہ مبارک ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا جو تمام انسانوں کے لیے سراسر ہدایت اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دیکھانے والی اور حق وباطل میں فرق کھول کے رکھ دینے والی ہے لہٰذا جو شخص اس مہینہ کو پائے اس پر لازم ہے کہ پورے ماہ مقدس کے روزے رکھے۔"

نبی کریم ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

"جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور سرکش شیاطین کو پابند سلاسل کر دیا جاتا ہے۔" (صحیح مسلم)

انہی فضائل کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ رمضان مبارک ہی وہ مہینہ ہے جس میں رحمتوں وبرکتوں کا نزول ہوتا ہے اور اس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے گنہگار بندوں کو قرآن کے ذریعے ہدایت دیتا ہے حق کے طالبین اور حصول جنت کے متلاشیوں کے لیے موسم بہار ہے۔

شان صیام

رسول اللہ ﷺ شان صیام کے بارے میں فرماتے ہیں:

"جس نے رمضان کے روزے رکھے ایمان کی حالت میں اور ثواب کی نیت سے تو اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ (صحیح بخاری)

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"ابن آدم کا ہر عمل اس کیلئے ہے سوائے روزے کے، روزہ میرے لیے ہے اور اس کا اجر وثواب بھی میں ہی دوں گا۔ اور روزہ آگ سے بچاؤ کی ڈھال ہے۔" (صحیح بخاری)

روزے کی فضیلت ہم اس حدیث مبارک سے بھی بخوبی لگا سکتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بندے کے اخلاص کی تصدیق کرتے ہوئے اس کو براہ راست خود اجر دینے کا فیصلہ کیا ہے ظاہر ہے جس کا اجر وثواب خود رب تعالیٰ دے اس کا کیا اجر وثواب ہوگا اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

صوم کے لفظی معنیٰ:

روزہ کو عربی زبان میں صوم کہا جاتا ہے جس کا مطلب ومفہوم رک جانا ہے۔

شرعی اصطلاح میں یہ ایک ایسی عبادت ہے جس میں ہر مسلمان اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے طلوع فجر سے غروب آفتاب تک تمام ممنوعات ومحرمات سے رک جاتا ہے۔

روزے کا مقصد کیا ہے؟

روزہ پوری زندگی کا ضابطہ حیات بتاتا ہے جس طرح ایک روزے دار کو روزے کی حالت میں حلال کردہ چیزوں سے بھی اپنے نفس کو روک کر لاتعداد اجر وثواب کماتا ہے اسی طرح آدمی اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر چل کر جہنم کی آگ سے بچ کر جنت کا مستحق بن سکتا ہے اسی مقصد کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ کے الفاظ سے ذکر کیا ہے، جس کا نام تقوی ہے تقوی درحقیقت دل کی

گہرائیوں سے ڈرتے ہوئے گناہوں اور محرمات سے بچنے کا نام ہے۔

روزوں کی فرضیت

روزہ ہر مسلم، عاقل، بالغ، صحت مند و تندرست پر فرض ہے اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (سورۃ البقرۃ:183)

"اے ایمان والو تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے، تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔"

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

" اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے کلمہ شہادت ورسول کی رسالت کا اقرار، نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔" (صحیح بخاری)

مذکورہ نصوص سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت برحق ہے اور جان بوجھ کر کوئی ایک روزہ چھوڑنا فسق (گناہ کبیرہ) اور اس کا انکار کرنا یا مذاق اڑانا یا غریبوں کا فاقہ قرار دینا کفر ہے۔

البتہ مندرجہ ذیل افراد بروقت ادائیگی سے مستثنیٰ ہیں:

1۔ نابالغ: وہ بچے اور بچیاں جو ابھی تک سن بلوغت تک نا پہنچے ہوں ان پر روزہ واجب نہیں ہے البتہ تربیت اور عادت ڈالنے کی غرض سے ان سے روزے رکھوایا جائے تو بہتر ہے۔

2۔ حاملہ اور دودھ پلانے والی خواتین: شریعت اسلامیہ نے حاملہ اور دودھ پلانے والی خواتین کو بروقت روزہ کی ادائیگی سے یہ رخصت دی ہے کہ اگر اپنے اندر جسمانی کمزوری یا بچے کی خوراک پوری نہ ہونے کا اندیشہ رکھتی ہوں تو بعد میں روزوں کی قضا دے جا سکتی ہے۔

3۔ وقتی مریض: اگر کوئی شخص کو مرض لاحق ہو جائے تو روزے کی صورت میں کمزوری بڑھنے کا اندیشہ ہو تو وہ روزہ چھوڑ کر اس کی قضا دے سکتا ہے۔

4۔ حیض ونفاس: روزے سے مستثنیٰ چوتھی حالت حیض و نفاس ہے جس میں مبتلا خواتین کو روزہ رکھنے سے مانع کیا گیا ہے ان خواتین پر واجب ہے کہ اپنے مخصوص ایام سے فارغ ہونے کے بعد رمضان کے بقیہ روزوں کی گنتی پوری کریں اور چھوڑے ہوئے روزوں کی قضاء بعد میں دے دیں اگر ان میں سے کوئی عورت طلوع فجر سے پہلے ایام سے فارغ ہو گئی ہو تو اس پر اس دن کا روزہ رکھنا فرض ہے۔

5۔ مسافر: حالت سفر میں پیش آنے والی مشقت و مصیبت کے احتمال کی وجہ سے مسافر کے لیے روزہ چھوڑنا مستحب ہے اسی طرح ایسے مسافر جو مستقل سفر میں رہتے ہوں ان کے مستقل سفر سے روزں کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی جیسے جہازوں کے پائیلٹس، سمندری جہازوں کے کپتان وغیرہ

نوٹ: ایمرجنسی، اضطرابی حالت: اچانک اضطرابی کیفیت لاحق ہو جانے کی صورت میں انسان روزہ قبل از وقت افطار کر سکتا ہے البتہ بعد میں اس کی قضا دیں مثلاً: ٹریفک حادثہ، اچانک شوگر یا بلڈ پریشر کا لو ہو جانا، آگ لگنا، پانی میں ڈوبنا وغیرہ

پوائنٹ نمبر 2 سے 5 تک کے افراد کے لیے قرآن حکیم کا یہ حکم کافی ہوتا ہے:

﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ (سورۃ البقرۃ:185)

"ہاں جو بیمار ہو یا مسافر ہو اسے دوسرے دنوں یہ گنتی پوری کرنی چاہیے۔"

6۔ دائمی مرض: دائمی مرض میں مبتلا افراد کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ رخصت دی ہے کہ وہ ہر روزے کے بدلے اپنی استطاعت کے مطابق ایک مسکین کو کھانا کھلائیں یہی ان کا کفارہ ہے

﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾

"اور اس کی طاقت رکھنے والے فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا دیں۔" (سورۃ البقرۃ:184)

اور وہ لوگ جو استطاعت نہیں رکھتے ان کا کفارہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔

7۔ مجنون: مجنون یا وہ شخص جس کی عقل زائل ہو گئی ہو خواہ بڑھاپے کی وجہ سے ہو یا کسی حادثے کی وجہ سے ہو تو ایسے افراد پر نہ تو کوئی کفارہ ہے اور نہ ہی کوئی قضا۔

روزے کا وقت:

روزے کا دورانیہ طلوع فجر سے غروب آفتاب تک ہوتا ہے جیسا کہ رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ﴾ (سورۃ البقرۃ: 187)

"تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کا سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے ظاہر ہو جائے پھر رات تک روزے کو پورا کرو۔"

کیا سحری کرنا ضروری ہے؟

جی ہاں! سحری کرنا انتہائی ضروری ہے اور اسلام میں سحری کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے سحری رات کے آخری تہائی وقت کو سحر کہتے جو آذان فجر تک جاری رہتا ہے اس وقت میں کھانا کھانے کو سحری کہا جاتا ہے یہ وقت قبولیت کا وقت بھی اس وقت میں زیادہ سے زیادہ نوافل اور استغفار کا اہتمام کرنا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: " سحری ضرور کھاؤ اس لیے کہ اس میں برکت ہے۔" (صحیح بخاری)

دوسری روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: " ہمارے اور اہل کتاب کے روزں کے درمیان فرق کرنے والی چیز سحری کھانا ہے (صحیح

مسلم)

وہ اعمال جن سے روزہ ضائع ہو جاتا ہے:

1۔ ترک نماز (نماز کو جان بوجھ کر چھوڑنا)

نماز دین اسلام کا ایک اہم رکن ہے خصوصاً جو آدمی روزے کی حالت میں نماز نہ پڑھے اس کے روزے کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی یہ دین سے دوری اور جہالت ہے۔ حدیث مبارک میں آتا ہے: "جان بوجھ کر نماز چھوڑنا کفر ہے۔" (سنن ابی داؤد)

2۔ فحش گفتگو اور بے ہودہ حرکتیں:

سول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ

"روزہ اس بات کا نام نہیں ہے کہ کوئی شخص کھانا پینا چھوڑ دے بلکہ روزہ تو بے ہودہ اور جنسی خواہشات پر ابھارنے والی فحش گفتگو سے بچنے کا نام ہے۔ (صحیح ابن خزیمہ)

روزہ کی حالت میں تمام لغو امور سے منع کیا گیا ہے لغو ہر بیکار، بے فائدہ اور وقت کی بربادی والے کام کو کہتے ہیں، جیسے کھیل کھود آجکل سوشل میڈیا کا فضول استعمال، گالی دینا، ٹی وی دیکھنا، فضول محفلیں سجانا وغیرہ اس میں شامل ہیں۔

3۔ روزہ کی حالت میں جھوٹ بولنا:

فرمان نبوی ﷺ ہے:

"جس نے جھوٹا بول، اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا اللہ عزوجل کو کوئی ضرورت نہیں ہے کہ ایسا شخص بھوکا رہے یا پیاسا رہے۔ (صحیح بخاری)

جھوٹ کبیرہ گناہ ہے تو کیسے ممکن ہے کہ ایک روزے دار جس نے اللہ کی رضا کے حصول کیلئے حلال چیزوں سے اپنے نفس کو روکے رکھا اور وہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے۔

روزے کی حالت میں جائز کام:

1۔ آنکھوں میں سرمہ، سر میں تیل اور کان یا آنکھ میں دوائی ڈالنا اور نہانا جائز ہے۔ (صحیح بخاری)

2۔ رات کو اگر غسل جنابت واجب ہو جائے تو انتہائی سحر قریب ہو پہلے سحری کرے اور پھر غسل کر کے نماز پڑھے۔ (صحیح بخاری)

3۔ روزے کی حالت میں حجامہ لگانا اور لگوانا جائز ہے۔ (صحیح بخاری)

4۔ روزے کی حالت میں مسواک کرنا بھی جائز ہے۔ (صحیح بخاری)

روزہ کی حالت میں ناجائز کام

1۔ ازدواجی تعلقات قائم کرنے سے رروزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ (صحیح بخاری)

2۔ جان بوجھ کر قے کرنا۔ (صحیح بخاری)

3۔ جان بوجھ کر کھانا پینا۔ (صحیح بخاری)

4۔ حالت بیداری میں کسی بھی طریقے سے انزال ہو جانا۔ البتہ احتلام نیند کی حالت میں ہونے سے روزہ نہیں ٹوٹتا مگر غسل واجب ہو جاتا ہے۔

5۔ حیض و نفاس آنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے البتہ حیض و نفاس آنے کی صورت میں کوئی کفارہ نہیں ہو گا روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور بعد میں اس کی قضا واجب ہے۔

6۔ کسی بھی غذا یا دوائی کو ڈراپ یا سرنج کے ذریعے بطور طاقت جسم میں داخل کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے البتہ نکسیر پھوٹنے یا جسم کے کسی بھی حصے سے خون نکلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

نوٹ: اپنی بیوی سے جان بوجھ تعلق قائم کرنے پر قضا کے ساتھ ساتھ کفارہ ادا کرنا بھی واجب ہے اور کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام کا آزاد کرنا، یا دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا، یا 60 مسکینوں کو کھانا کھلانا۔

افطاری:

جب بندہ اخلاص نیت سے اللہ تعالیٰ کے لیے سارا دن بھوکا پیاسا اور شہوات نسوانی سے دور رہا تو اب اللہ تعالیٰ نے اس وقت بندے لیے دو عظیم خوشیاں رکھی ہیں: (1) ایک افطار کے وقت کی خوشی۔ (2) رب سے ملاقات کے وقت کی خوشی۔

افطاری میں جلدی کرنا

غروب آفتاب کے فوراً بعد بغیر کسی احتیاطی اضافی منٹس کے روزہ افطار کر لینا سنت نبوی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

" لوگ اس وقت تک بھلائی میں رہیں گے جب تک کہ افطاری میں جلدی کرتے رہے گے۔" (صحیح بخاری)

روزہ کیسے افطار کریں؟

رسول اللہ ﷺ کی سنت مبارکہ تھی کہ آپ روزہ تازہ کھجوروں سے افطار فرماتے تھے اور اگر تازہ کھجوریں میسر نہ ہوتی تو چھواروں سے افطار کرتے اور اگر چھوارے بھی دستیاب نہ ہوتے تو پانی کے چند گھونٹ پی لیا کرتے تھے۔ (سنن ابی داؤد)

افطار میں دعا کی قبولیت:

فرمان رسول ﷺ ہے: " افطار کے وقت اللہ تعالیٰ روزے دار کی دعا کو رد نہیں فرماتا۔" (سنن ابن ماجہ)

افطاری کی دعا:

رسول اللہ ﷺ افطاری کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ، وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللهُ (سنن ابی داؤد)

"پیاس بجھ گئی رگیں تر ہو گئیں اور اللہ نے چاہا تو اجر و ثواب ثابت ہو گیا۔"

روزہ افطار کروانے کا اجر:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" جس نے کسی روزے دار کو افطار کروایا اس (کروانے والے) کے لیے بھی اتنا ہی اجر و ثواب ہے جتنا روزہ رکھنے والے کا اجر و ثواب ہے بغیر روزہ دار کے اجر میں سے کچھ بھی کمی کے۔" (جامع الترمذی)

جس کو افطاری کرائی گئی وہ کیا کہے؟

افطاری کروانے والے کو بندہ ان مسنون الفاظ سے دعا دے:

«أَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُونَ، وَأَكَلَ طَعَامَكُمُ الْأَبْرَارُ، وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ» (سنن ابی داؤد)

"تمہارے ہاں روزے دار افطار کرتے ہیں اور نیک لوگ تمہارا کھانے کھاتے رہیں اور فرشتے تمہارے لیے رحمت کی دعا کرتے رہیں۔"

رمضان المبارک میں خصوصی کام:

1۔ تلاوت:

رمضان اور قرآن کا تعلق بہت گہرا ہے کیونکہ یہی وہ ماہ مبارک ہے جس میں اللہ رب العزت نے اپنے پاک کلام کو بندوں کی ہدایت کے لیے آسمان سے نازل فرمایا قرآن مجید میں تصدیق ہے کہ

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ﴾ (سورۃ البقرۃ:185)

"ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کو ہدایت کرنے والا ہے اور جس میں ہدایت کی حق و باطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں۔"

قرآن پاک اوامر، نواہی، قصص الانبیاء، توحید باری تعالیٰ، رد شرک و کفر، اصول کامیابی و کامرانی، ضابطۂ حیات زندگی، ناکامی کے اسباب، نصیحتوں، حکمتوں اور اصلاح معاشرہ جیسے مؤثر موضوعات کو تفصیل سے بیان کرتا ہے جس کے پاس بھی قلب سلیم ہو گا ضرور اس کی زندگی مثبت انقلاب لائے گا اور جس کے پاس بھی قلب سقیم ہو گا وہ اس سے فائدہ نہیں پہنچا سکے گا ظلم تو یہ ہے کہ اس دور میں لوگوں نے فقط رسومات وروایات تک محدود کر دیا ہے۔

کہیں قسم اٹھانے کے لیے قرآن مجید کا استعمال کیا جاتا ہے کہیں دلہن کو قرآن مجید کے سایہ میں رخصت کیا جا رہا ہے اور ان جیسی مزید باطل رسومات جو ہمارے معاشرے میں عام ہیں قرآن مجید کو ان کاموں اور امور میں استعمال کیا جا رہا ہے جن کا شریعت اسلامیہ سے کوئی تعلق نہیں قرآن پاک تو رب تعالیٰ سے براہِ راست تعلق بنانے کا نام ہے جس کے لیے ضروری ہے جس کے معانی و مفاہیم کو سمجھا جائے اور اس پر غور و تدبر کیا جائے کہاں صحابہ کا قرآن پڑھنا جن کی تلاوت سے فرشتوں کے آسمان سے نازل ہونا اور قرآن پڑھنا۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

"کثرت سے قرآن پڑھا کرو اس لیے کہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والے کے حق میں شفاعت کرے گا۔" (صحیح مسلم)

ہمیں چاہیے کہ ہم اس ماہ مبارک میں کثرت سے تلاوت کلام پاک سے اپنے دلوں کو منور کریں۔

قیام اللیل / صلاۃ تراویح

قیام اللیل یعنی تہجد جیسے ہم خصوصاً رمضان میں تراویح کہتے ہیں پورا سال ہی اس کی اہمیت وفضیلت میں کمی نہیں ہوتی لیکن رمضان المبارک میں اس کی اہمیت زیادہ ہی بڑھ جاتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

" جس شخص نے ایمان کی حالت میں اور ثواب کی نیت سے رمضان کی راتوں کا قیام کیا تو اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔" (صحیح بخاری)

رکعات تراویح:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ رمضان ہو یا غیر رمضان گیارہ رکعات سے زیادہ (قیام اللیل) نہیں کیا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری)

اللہ کے آخری رسول ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں صحابہ کے شوق ورغبت کو دیکھتے ہوئے رمضان المبارک میں قیام اللیل کی تین مرتبہ جماعت بھی کرائی مگر پھر فرضیت کے خطرے کے پیش نظر جماعت ترک کر دی آپ ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا ابو حفص عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے پھر سے باجماعت اپنا معمول بنالیا، الحمدللہ آج تک جاری وساری ہے۔ (صحیح بخاری)

وضاحت: اس حدیث مبارکہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صلاۃ تراویح بدعت نہیں بلکہ آپ ﷺ سے ثابت شدہ سنت ہے اور مزید یہ معلوم ہوتا ہے کہ تراویح کی اصل اور مسنون تعداد وتر کے علاوہ آٹھ رکعات ہی ہیں اگر کوئی شخص بغیر سنت سمجھے نوافل کے طور پر مزید پڑھنا چاہیے تو پڑھ سکتا ہے مگر وتر سمیت گیارہ رکعت کے علاوہ کسی مخصوص تعداد مثلاً بیس کو مقرر کر لینا اور اسے سنت سمجھنا خلاف حقیقت بات ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ (صدقہ وخیرات)

رسول اکرم ﷺ باقی دنوں میں کثرت انفاق (صدقہ وخیرات) کرنے کے باوجود اس ماہ رمضان المبارک میں انفاق فی سبیل اللہ کرنے میں تیز آندھی سے بھی زیادہ کیا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری)

لہٰذا صاحب حیثیت افراد پر واجب ہے کہ وہ اپنی خوشیوں میں اپنے رشتہ داروں، علاقہ والوں اور شہر والوں اور ملک کے غرباء ومساکین کو بھی شریک کریں یعنی اپنے مال سے ان کی دل کھول کر مدد کریں۔

اعتکاف:

اعتکاف رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں کیا جاتا ہے اور شوال کا چاند نظر آتے ہی اختتام پذیر ہو جاتا ہے رمضان المبارک کی 21ویں شب شروع ہوتے ہی اعتکاف شروع ہو جاتا ہے لیکن معتکف کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اعتکاف کے خیمے میں صبح یعنی فجر کی نماز پڑھ کے داخل ہو کیونکہ یہی سنت ہے۔ (صحیح مسلم)

اعتکاف کی غرض وغایت:

اعتکاف کا مطلب اور مقصد دنیا ومافیہا سے بیگانہ ہو کر اپنے آپ کو مسجد کے ایک کونے میں صرف اور صرف اللہ کی عبادت کے لیے وقف کر دینا ہے اعتکاف کرنے والے کے لیے اعتکاف کی حالت میں

ہر وہ کام جو اللہ کے قریب کرے اور گناہوں سے دور کرے اختیار کرنا لازم ہے وگرنہ اعتکاف کا مقصد فوت ہو جائے گا اور بجائے ثواب واجر کے انسان گناہ کا حقدار ٹھہرے گا ان امور میں بکثرت تلاوت قرآن، قیام اللیل، بالخصوص لیلۃ القدر کا حصول، کثرت نوافل، کثرت دعا، ذکر واذکار، توبہ واستغفار اور وہ تمام عبادات شامل ہیں جو اللہ کی رضا اور بخشش کا ذریعہ بنتے ہیں۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ آج کل ناسمجھ لوگوں نے اعتکاف جیسی عظیم عبادت اور سنت رسول اللہ ﷺ کو بھی وقت پاس، بیکار محفلوں اور تفریح کا ذریعہ بنالیا ہے جس میں مساجد کا تقدس بھی پامال کیا جاتا ہے یقیناً ایسا اعتکاف باعث وبال ہی ہو گا۔

اعتکاف کی حالت میں ناجائز امور

1۔ بلاضرورت مسجد سے باہر نکلنا۔
2۔ مریض کی عیادت کرنا
3۔ جنازہ میں شریک ہونا (البتہ جنازہ اگر مسجد میں آجائے تو نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے)۔
4۔ بیوی سے تعلق قائم کرنا
5۔ کسی بھی قسم کے معاشرتی معاملے میں دخل دینا وغیرہ ناجائز امور میں سے ہیں۔ (سنن ابی داؤد)

اعتکاف کی حالت میں جائز امور

اگر مسجد میں انتظام نہ ہو تو قضائے حاجت کیلئے باہر جانا، غسل کرنا، کپڑے تبدیل کرنا، کنگھی کرنا، ناخن تراشنا، تیل لگانا اور بیوی سے رسمی ملاقات کرنا جائز امور میں سے ہیں۔ (سنن ابی داؤد)

نوٹ : اعتکاف صرف مسجد میں ہی کرنا مسنون ہے گھر میں اعتکاف کرنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اعتکاف کو مسجد کے ساتھ خاص کیا ہے۔

﴿وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾ (سورة البقرة:187)

"اور تم مسجد میں ہو حالت اعتکاف میں۔"

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا : "روزہ اور جامع مسجد کے بغیر اعتکاف نہیں ہے۔" (سنن ابی داؤد)

عورتوں کا اعتکاف بھی مساجد میں ہی ہے اگر مساجد میں محفوظ جگہ نہ ہو تو ان کے لیے اعتکاف کرنا ضروری نہیں ہے گھر پر ہی رہ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہیں۔

لیلۃ القدر:

لیلۃ القدر وہ بابرکت اور مبارک رات ہے جس میں رحمتوں اور برکتوں کے نزول کے ساتھ ساتھ فرشتوں کا بھی نزول ہوتا ہے یہ ایک رات ہزار رات (یعنی 83 سال) مہینوں سے بہتر رات ہے اللہ تعالیٰ نے اسی کے بارے میں مکمل سورت سورت القدر کے نام سے نازل فرمائی جس سے اس رات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اسے رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں 21، 23، 25، 27، 29 میں تلاش کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (صحیح مسلم)

لیلۃ القدر کی دعا:

لیلۃ القدر میں باقی دیگر عبادات اور دعاؤں کے ساتھ ساتھ اس دعا کا بھی خصوصی اہتمام کیا جائے۔

اَللّٰهُمّ إِنَّكَ عُفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي (جامع ترمذی :3513)

رمضان المبارک کا آخری عشرہ

اللہ کے پیارے نبی ﷺ کے بارہ میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خبر دیتی ہیں کہ

جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو رسول اللہ ﷺ راتوں کا اکثر حصہ بیدار رہتے اور اپنے گھر والوں کو بھی بیدار رکھتے اور عبادات میں خوب محنت کیلئے کمربستہ ہو جاتے۔ (صحیح بخاری)

توبہ واستغفار اور کثرت دعا:

رمضان المبارک میں قبولیت کی گھڑیوں کو مزید بڑھا دیا جاتا ہے تاکہ بندہ اپنے رب کے سامنے اپنے گناہوں پر ندامت کرتے ہوئے توبہ واستغفار کرے اور اپنے رب تعالیٰ کو راضی کر کے جہنم کی آگ سے بچ کر جنت کی منزلوں کا راہی بن جائے قبولیت دعا کے لیے بندہ ان چیزوں سے آراستہ ہو جس میں توحید، اتباع سنت نبوی، اخلاص نیت، رزق حلال، حضور قلب، عاجزی وانکساری اور قبولیت کا یقین ہونا شامل ہے۔ ورنہ دعا رد کر دی جائے گی۔

صدقۃ الفطر:

صدقۃ الفطر ہر مسلمان پر فرض ہے اور اس کو زکاۃ الفطر بھی کہا جاتا ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زکاۃ الفطر کو فرض قرار دیا ہے ایک صاع کھجور، جو کہ ہر مرد غلام ہو یا آزاد، مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بوڑھا یہ ہر مسلمان پر فرض ہے اور آپ ﷺ نے اس بات کا بھی حکم دیا ہے کہ اسے نماز عید کے لیے نکلنے سے قبل ادا کیا جائے۔ (صحیح بخاری)

ایک صاع حجازی تقریباً ڈھائی کلو موجودہ وزن کے برابر ہے۔

شوال کے چاند نظر آنے کے فوراً بعد صدقۃ الفطر ادا کرنا بہتر ہے البتہ عید سے ایک دو دن قبل بھی دیا جاسکتا ہے۔ (صحیح بخاری)

صدقۃ الفطر جنس کی صورت میں ہی دینا مسنون ہے اس کے مستحقین وہی ہیں جو زکاۃ کے مستحقین ہیں اسے دینی اداروں کے مستحق طلبہ کو بھی دیا جاسکتا ہے مگر تعمیراتی کاموں کے لیے نہیں۔

گھر کے سرپرست کا تمام کی طرف سے صدقۃ الفطر ادا کر دینا باقی تمام افراد کے لیے کفایت کر جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں میں شامل فرمادے جو رمضان المبارک کی برکتوں اور مبارک ساعتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور تلاوت قرآن مجید اور شب بیداری سے اپنے رب کو راضی کر کے جہنم کی آگ سے بچ کر جنتوں کے حقدار بنتے ہیں۔ آمین

نمازِ جنازہ میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے کا حکم (3)

ہم اب ابو البرکات حسن بن عمار بن یوسف الشر نبلالی کی کتاب 'النظم المستطاب لحکم القراءۃ فی صلاۃ الجنازۃ بام الکتاب' سے ان دلائل کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جو انہوں نے علماء احناف کے اعتراضات اور اشکالات کے رد میں پیش فرمائے ہیں۔ اگر کہیں مزید اضافات کی ضرورت ہو گی تو ہم اسے بھی حوالے کے ساتھ تحریر کرتے جائیں گے۔

پہلا اعتراض: نماز جنازہ سجدہ تلاوت کی مانند ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ سجدہ تلاوت میں طہارت، قبلہ رخ ہونا، وغیرہ شرط ہے اور اس میں سورۃ الفاتحہ کی قراءت نہیں ہے تو ایسے ہی نماز جنازہ میں بھی وضو کا ہونا اور قبلہ رخ ہونا شرط ہے لیکن اس بنا پر وہ نماز کے حکم میں نہیں ہو سکتی۔

یہ بات کہ سجدہ تلاوت میں طہارت اور قبلہ رخ ہونا شرط ہے، تسلیم نہیں کی جاسکتی، کیونکہ وہ صرف ایک سجود ہے، اس لیے اسے نماز کے احکامات نہیں دیئے جاسکتے، نماز تو تحریم (تکبیر کے ساتھ داخل ہونا) اور تحلیل (سلام کے ساتھ نماز ختم کرنے) کا نام ہے اور اسی لیے صرف سجدہ تلاوت کرنا ہو تو وہ وضو کے بغیر بھی کیا جاسکتا ہے، تکبیر نہ بھی کہے اور قبلہ رخ نہ بھی ہو تو کوئی حرج نہیں اور اس کی دلیل سیدنا ابن عباس کی یہ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب سورۃ النجم کی آخری آیت پڑھی تو آپ نے سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ صحابہ نے بھی سجدہ کیا بلکہ مشرکین اور جن وانس نے بھی سجدہ کیا۔ (صحیح بخاری)

فتح الباری میں سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بابت بھی نقل کیا گیا کہ وہ بغیر وضو کے خالی سجدہ کر لیا کرتے تھے۔ (فتح الباری: 2/554)

اور اس مسلک کو شعبی، ابو عبد الرحمٰن السلمی اور امام ابن تیمیہ نے اختیار کیا ہے۔ اسی اعتراض کو الصاغانی نے بھی اٹھایا ہے اور اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ جس چیز یعنی سجدہ تلاوت پر قیاس کیا جارہا ہے وہ اصلاً نماز ہے ہی نہیں، کیونکہ نماز جنازہ چار ارکان (یعنی چار تکبیرات بشمول تکبیرۃ التحریم) اور قیام پر مشتمل ہے اور چونکہ سیدنا ابن عباس اور دوسرے صحابہ سے اس نماز میں سورۃ الفاتحہ پڑھنا ثابت ہے تو فعل صحابی کے مقابلے میں قیاس کو ترک کیا جائے گا۔ (ص 35-37)

2۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول: لم یوقت لنا رسول الله فيه قولا ولا قراءة

ہم شر نبلالی کا قول بعد میں نقل کریں گے۔ پہلے اس کا معنی و مطلب سمجھنے کے لیے یہ دو حوالے ملاحظہ ہوں:

الکتاب فی شرح الکتاب (قدوری) کے حاشیہ پر المراقی کے حوالہ سے لکھا ہے:

يقال لكل شيئ موقوت كما في المصباح المنبر (وقت) والمراد لاتعين شيئ من الدعا كما هو نصّ المراقي (ص 482 مع الطحطاوي

"مراد یہ ہے کہ اس میں کوئی دعا متعین نہیں ہے۔"

اور ابن قدامہ صاحب المغنی کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ "لم یقدر" کہ آپ نے اس کی قدر نہیں بتائی کہ کتنا پڑھنا چاہیے اور پھر ابن المنذر نے تو سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے نماز جنازہ میں الفاتحہ پڑھی تھی۔ یعنی اتنا تو معلوم ہو گیا کہ کم سے کم کیا پڑھا گیا تھا۔ اس لیے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول کو ان کے اپنے عمل کی روشنی میں جانچنا چاہیئے۔

چونکہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ میں سورۃ الفاتحہ کی قراءت کی تھی، اس لیے ان کی روایت سے یہ سمجھا جائے گا کہ وہ قراءت فاتحہ کے واجب ہونے کی نفی کر رہے ہیں اور ان کی روایت کردہ خبر انہیں اس بات کا اختیار دے رہی ہے کہ وہ چاہے فاتحہ پڑھ لیں یا کہیں اور سے قراءت کر لیں، ان کی روایت کو ان کے فعل کی روشنی میں سمجھنا چاہیئے اور پھر یہ بھی علم میں رہے کہ 'لم یوقت لنا' کا ادنیٰ درجہ اباحت کا ہے کراہت کا نہیں ہے۔

(سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ میں سورۃ الفاتحہ کی قراءت کی' اسے ابن المنذر نے الاوسط نمبر 3167 میں اور ابن ابی شیبہ نے المصنف میں ذکر کیا ہے، سعید بن المنصور کے بارے میں بھی کہا گیا ہے کہ اس روایت کو انہوں نے اپنی سنن میں درج کیا ہے لیکن وہ اس جزؤ میں ہو گا جو مفقود ہو چکا ہے۔)

یہ کہنا کہ اگر راوی اپنی روایت کے خلاف عمل کرے تو اس عمل کا اعتبار نہ ہو گا، اس لیے صحیح نہیں ہے کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت کردہ خبر کی مخالفت تو نہیں کی۔ ان کی روایت میں جیسا کہ پہلے لکھا گیا، اس بات کا احتمال ہے کہ اس میں فاتحہ پڑھنے کی وجوب کی نفی کی گئی ہو، یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس کو واجب نہیں سمجھتے تھے، لیکن مباح ضرور جانتے تھے،

اس لیے اس کی قراءت کی۔ (شرنبلالی: ص 41-43)

3۔ عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا سورۃ الفاتحہ کی قراءت کا انکار کرنا بھی اسی تناظر میں سمجھا جائے کہ وہ اس کے وجوب کا انکار کر رہے ہیں نہ کہ جواز کا۔

مجاہد تابعی کہتے ہیں کہ میں نے 18 کے قریب صحابہ سے سوال کیا تھا تو انہوں نے کہا کہ قراءت ہونی چاہیے اور ایسی ہی روایت بحوالہ الاثرم عبد اللہ بن عمرو سے بھی منقول ہے۔ (ص39)

4۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی احادیث یہ تاویل کرنا کہ قراءت فاتحہ ثنا کی نیت سے پڑھی ہو گی، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات صرف ایک دعویٰ ہے۔ اس پر کوئی دلیل نہیں۔ کیونکہ ثناء کی نیت سے پڑھنا ایک باطنی امر ہے، جس کا علم صرف پڑھنے والے کو ہو گا، اور یہاں فاتحہ پڑھنے والے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جب انہوں نے فاتحہ یعنی قرآن کی تلاوت کی تو پھر اسے تلاوت ہی کہا جائے گا، کسی اور معنیٰ میں نہیں لیا جائے گا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل سنت ہے، تو ان کے اس فعل سے قراءت فاتحہ کا سنت ہونا ثابت ہو گیا نہ کہ قراءت کی نفی کرنا۔ (ص51)

5۔ یہ قول کہ نماز جنازہ صرف دعا اور استغفار ہے اور وہ اس لیے کہ اس میں نماز کے ارکان نہیں پائے جاتے۔

یہ بات بھی درست نہیں ہے کہ نماز جنازہ صرف دعا اور استغفار ہے، کیونکہ ایک اعتبار سے یہ نماز ہی ہے، کیا اس میں تکبیر تحریمہ، قیام اور قبلہ رخ ہونا نہیں ہے؟ کیا اس میں امام کی پیروی کرنا نہیں ہے کہ جو ہر نماز کی خصوصیت ہے۔

ابن الضیاء الصاغانی (ابو البقاء محمد بن احمد بن ضیاء الدین 854ھ) کا یہ کہنا کہ اگر فاتحہ کا پڑھنا مسنون ہوتا تو ہر تکبیر کے بعد اس کا پڑھنا جائز ہوتا، یعنی اگر تکبیر کو ایک رکعت کے قائم مقام مانا جائے تو ہر رکعت کے حساب سے اس کی ابتدا قراءت فاتحہ سے ہونی چاہیے۔

صاغانی یہاں خود اپنے کلام کی نفی کرتے نظر آتے ہیں، انہوں نے اپنی اس بات کے آخر میں کہا: "اگر فاتحہ دعاء کی نیت سے پڑھے تو جائز ہے۔" (المشرع فی شرح المجمع یعنی مجمع البحرین للساعاتی: ص45)

گویا قراءت کی نفی تو نہیں کی جا رہی، چار تکبیروں کو چار رکعت کے برابر قرار دینا یہ بھی تو ان کا اپنا خیال ہے، پہلی تکبیر کے بعد فاتحہ کی قراءت سنت سے ثابت ہو گئی اور پھر صلاۃ علی النبی کا عمل بھی ادا ہو گیا اور چونکہ یہ نماز خاص طور پر میت کے لیے مغفرت کی دعا کے لیے ہے۔ اس لیے دعاؤں کا منقول ہونا تو ایک فطرتی بات تھی۔

6۔ صحابی کا یہ کہنا کہ یہ کام سنت ہے، کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ کسی کی بھی سنت حسنہ ہے؟

پہلے ہم محدث حاکم نیشاپوری کا حوالہ دیتے ہیں۔ انہوں نے سیدنا ابن عباس کی روایت اپنی سند سے درج کرنے کے بعد کہا:

"یہ صحیح حدیث ہے کہ جو مسلم کی شرط کے مطابق ہے اور ان کا (یعنی محدثین کا) اجماع ہے کہ صحابی کا یہ کہنا کہ یہ بات سنت ہے، مسند حدیث کا حکم رکھتا ہے۔ (358/1)

امام ترمذی، امام ابن المنذر اور امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہم نے بھی کہا ہے کہ اس بات پر اجماع ہے، یعنی صحابی کا یہ کہنا کہ یہ بات سنت ہے، مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔

صاحب الکتاب المستطاب لکھتے ہیں:

ابن الہمام نے بھی التحریر میں یہ بات لکھی ہے کہ "صحابی کا یہ کہنا کہ یہ کام سنت ہے۔" اور العراقی نے اسے یوں لکھا ہے:

قول الصحابي من السنة أو نحو أمرنا حكمه الرفع ولو بعد النبي قاله بأعصرعلى الصحيح وهو قول الأكثر

"صحابی کا یہ کہنا یہ سنت میں سے ہے، یا یہ کہنا کہ یہ ہمارا طرزِ عمل رہا ہے، وہ مرفوع کے حکم میں ہے اگرچہ کہ بات اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کافی بعد کہی ہو اور یہی بات صحیح ہے اور اکثر کا یہی قول ہے۔"

ابن دقیق العید کہتے ہیں کہ اختلاف وہاں کیا جا سکتا ہے کہ جہاں روایت میں اجتہاد کی گنجائش ہو وگرنہ قطعی طور پر وہ مرفوع (یعنی قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم میں ہے۔

اور یوں ابن الضیاء کا اسے کسی کا طریق حسن قرار دینا غلط ثابت ہو گیا۔ صحیح بات یہی ہے کہ اس سے مراد سنت نبوی ہے۔

اور اس بات کا بھی لحاظ رکھا جائے کہ صحابی اگر یہ نہ بھی کہے کہ یہ بات سنت ہے، تب بھی اس کے قول اور فعل کی تقلید کرنا واجب ہے اور اس کے مقابلے میں قیاس کو ترک کرنا ہو گا چہ جائیکہ یہ کہ اس نے اسے سنت بھی قرار دیا ہو۔ (ص52)

7۔ صاحب الکافی (فی شرح الوافی لابی البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی، متوفیٰ 710) کا یہ قول کہ نماز جنازہ ایک لحاظ سے نماز ہے" کا کیا مطلب ہے؟

ان کے اس قول سے قراءت کی نفی نہیں ہوتی، بلکہ قراءت کا اثبات ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ ایک لحاظ سے نماز اس لیے ہے کہ اسے بھی استحساناً سواری پر نہیں پڑھا جاتا، اس کی ابتداء تکبیر تحریمہ سے ہوتی ہے، قبلہ رخ نماز پڑھی جاتی ہے، قیام کیا جاتا ہے اور یوں وہ باقی نمازوں کے حکم میں اشتراک رکھتی ہے" (الکافی فی شرح الوافی: ص42)

کیونکہ قیام اور قراءت لازم ملزوم ہیں اس لیے کم سے کم قراءت کا جواز تو ثابت ہو گیا۔

8۔ صاحب النتف (یعنی النتف فی الفتاویٰ لجمال الدین القاسی الغزنوی، متوفیٰ 913ھ) نے تو یہ کہہ کر معاملہ بالکل صاف کر دیا کہ یہ نماز دس اسباب کی بنا پر حقیقی نماز ہی کہلائے گی۔ وہ دس اسباب یہ ہیں:

1۔ تکبیر تحریمہ سے آغاز کرنا۔

2۔ آخر میں سلام سے ختم کرنا۔

3۔ قبلہ رخ ہونا۔

4۔ امام کا آگے کھڑا ہونا۔

5۔ لوگوں کا امام کے پیچھے کھڑا ہونا۔

6۔ باوضو ہونا۔

7۔ نماز میں بات چیت نہ کرنا۔

8۔ امام کی پیروی کرنا۔

9۔ پہلی تکبیر کے وقت رفع الیدین کرنا۔

10۔ لوگوں میں اس بات کا معروف ہونا کہ یہ نماز ہے۔

سورۃ التوبہ میں اسے صلاۃ کہا گیا: ولا تصل على أحد منهم مات أبدا (84)

اور انہیں یعنی منافقین میں سے کوئی مر جائے تو اس پر کبھی صلاۃ نہ پڑھنا، میں (صاحب الکتاب المستطاب) اس پر اضافہ کرتے ہوئے کہتا ہوں:

11۔ قیام کا ہونا۔

12۔ ستر عورۃ (یعنی ساتر لباس کا ہونا)

13۔ مصلی کا لازمی طور پر زمین پر کھڑا ہونا۔

14۔ اگر عذر نہ ہو تو جنازے کا زمین پر رکھا جانا۔

اور وہاں یہ کہ بعض روایات میں قراءت کی نفی کی گئی ہے تو وہاں وجوب یا لزوم کی نفی کی گئی ہے، جواز کی نفی تو نہیں کی گئی!! (ص52)

9۔ ابن الضیاء الصاغانی کا قول بابت حدیث "لا صلاۃ إلا بفاتحۃ الکتاب" کہ یہ حدیث مطلق ہے اور اس کا اطلاق نماز جنازہ پر نہیں ہوتا کہ وہ مقید ہے، اس کا یہ جواب ہے کہ ان کا دعویٰ اس قول سے ثابت نہیں ہوتا۔ نماز جنازہ چاہے مکمل نماز نہ ہو لیکن وہ کامل صلاۃ کا حکم رکھتی ہے، امام شافعی ﷫ کے نزدیک تو ایسا کرنا واجب ہے اور ہمارے نزدیک جائز ہے، اس لیے اس قول کی بنا پر فاتحہ نہ پڑھنے کا جواز نہیں نکالا جا سکتا۔ (الکتاب المستطاب: ص 50)

ہمارے نزدیک یہ مسئلہ اختلافی ہے، مطلق اور مقید کی چار صورتیں ہیں، جن میں یہاں چوتھی صورت کا اطلاق ہوتا ہے کہ

"مطلق اور مقید کا حکم ایک ہو لیکن سبب مختلف ہو۔"

یعنی دونوں صلاۃ کے حکم میں ہیں لیکن عام نمازوں کا سبب اور ہے اور نماز جنازہ کا سبب اور ہے، ایسی صورت میں حنفیہ کے نزدیک مطلق اپنی جگہ پر رہے گا اور مقید اپنی جگہ پر۔ یعنی عام نمازوں میں فاتحہ پڑھی جائے گی اور نماز جنازہ میں نہیں۔

لیکن شافعیہ اور جمہور کے نزدیک مطلق کا حکم مقید پر بھی وارد ہو گا۔

بلکہ صحیح صورت مسئلہ یہ ہو گی کہ "لا صلاۃ إلا بفاتحۃ الکتاب" میں ہر نماز میں فاتحہ پڑھنا واجب بتایا گیا ہے اور سیدنا ابن مسعود ﷛ سے مروی روایت میں نماز جنازہ میں قراءت کی نفی کی گئی ہے، تو یہ کہا جائے گا کہ مطلق قراءت کی نفی سے سورۃ الفاتحہ پڑھنے کی نفی نہیں ہوتی۔ سورۃ الفاتحہ کا پڑھنا حد ادنی ہے، اس سے زائد قراءت نہیں ہو گی الّا یہ کہ کسی روایت سے مزید پڑھنے کا ثبوت بھی حاصل ہو جائے۔

10۔ امام مالک کی طرف منسوب یہ قول کہ اہل مدینہ کا اس پر عمل نہیں ہے۔

صاحب الکتاب المستطاب اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس قول میں دونوں احتمال ہیں کہ وہ اس کے واجب ہونے کی نفی کر رہے ہیں نہ کہ اس کے جائز ہونے کی۔ اس لیے یہ قول دعویٰ کو ثابت نہیں کرتا۔ (صفحہ 46)

ہم کہتے ہیں کہ امام مالک ﷫ نے اس مسلک کو اس لیے اختیار کیا کہ سنت کی حفاظت ہو سکے، چونکہ اہل مدینہ سنت رسول کے محافظ رہے ہیں اس لیے اہل مدینہ کے تعامل پر زیادہ اطمینان حاصل رہتا ہے۔

لیکن یہاں جمہور کا مسلک راجح دکھائی دیتا ہے، سنت یا حدیث پر اطمینان راوی کے ثقہ اور عادل ہونے سے حاصل ہو جاتا ہے اور چونکہ صحابہ کرام ﷡ سب کے سب تو مدینہ کے باسی نہ رہے تھے بلکہ مکہ مکرمہ، حجاز، نجد، شام، عراق، مصر اور شرق و غرب کے ممالک میں آباد ہو چکے تھے اس لیے وہ جہاں بھی گئے سنت رسول کو اپنے ساتھ لے گئے۔

گویا سنت تمام امت کے ساتھ وابستہ ہو گئی، اہل مدینہ تو امت کا ایک حصہ ہیں، نہ کہ کل امت، اس لیے اصل بات یہ ہے کہ سنت رسول اگر ثقہ راویوں سے ثابت ہو جائے تو وہ قابل عمل ہے۔ (الوجیز فی اصول الفقہ لعبد الکریم زیدان: ص175)

یہاں پر ہم مالکی مذہب سے وابستہ مشہور عالم ابن عبد البر کی کتاب التمہید کا ایک حوالہ دیں گے کہ یہ ضروری نہیں کہ اہل مدینہ ہر سنت کی حفاظت کر سکیں، ان سے کوئی سنت چھوٹ بھی سکتی ہے۔

باب الصلاة على الجنائز بالمسجد میں امام مالک کی سند (عن أبي النضر مولى عمر بن عبيد الله عن عائشة زوج النبي ﷺ) سے یہ روایت درج کی ہے کہ جب سعد بن ابی وقاص ﷛ وفات پا گئے تو سیدہ عائشہ ﷞ نے کہا کہ ان کا جنازہ مسجد میں لایا جائے تاکہ وہ بھی ان کے لیے دعا کر سکیں تو لوگوں نے اس قول پر تعجب کا اظہار کیا۔ (فأنكر ذالك الناس عليها)

تو سیدہ نے کہا ہے: یہ لوگ کتنی جلد (بھول گئے ہیں) کہ اللہ کے رسول نے سہیل بن بیضاء پر مسجد ہی میں نماز پڑھتی تھی۔"

ابو عمر (ابن عبد البر) کہتے ہیں:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول کہ "ما اسرع الناس" کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔

1۔لوگوں کو کتنی جلدی نسیان لاحق ہو گیا ہے۔

2۔ لوگوں کو کتنی جلدی اب ان باتوں پر انکار کرنے لگے ہیں، جنہیں وہ خود جانتے نہیں ہیں، یا وہ بات ان کی پسند کی نہیں ہے یا وہ خود اس سے جاہل ہیں یا اسے بھول چکے ہیں یا لوگ عیب نکالنے یا طعنہ زنی میں کتنی جلد بازی کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور پھر یہ کہہ کر انہوں نے اپنی دلیل پیش کی اور وہ اس لیے کہ انہوں نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے جنازے کو مسجد میں لانے پر انکار کیا تھا۔ وہ خود مدینہ سے دس میل کے فاصلے پر وادی العقیق میں اپنے قصر میں انتقال کر گئے تھے ور انہوں نے (اور سعید بن زید) نے بھی یہ وصیت کی تھی کہ انہیں العقیق سے لوگوں کے کندھوں پر بقیع لے جا کر دفن کیا جائے کیونکہ بقیع کی فضیلت سب کے علم میں تھی۔

جو لوگ عمل اہل مدینہ کو ترجیح دیتے ہیں وہ بھی اس حدیث سے یہ مطلب لے سکتے ہیں کہ اہل مدینہ کا عمل حجت ہے لیکن دیکھا جائے تو اس حدیث سے عمل اہل مدینہ کا حجت نہ ہونا بھی دکھائی دیتا ہے کیونکہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا، کہ اہل مدینہ اتنی جلدی سنت نبوی کو کیسے بھلا بیٹھے ہیں کہ انہوں نے سہیل بن بیضاء کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھائی تھی۔ گویا اصل چیز سنت کا ثابت ہونا ہے۔

ابو عمر پھر یہ بھی لکھتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھائی تھی، صحابہ اس وقت حاضر تھے اور کسی نے ان پر انکار نہیں کیا تھا۔ (ہدایۃ المستفید من کتاب التمہید، ترتیب عطیہ محمد سالم: مجلد 5/330-335)

اب آخری بات رہ جاتی ہے کہ ان تمام واضح دلائل کے باوجود احناف نے نماز جنازہ میں سورۃ الفاتحہ کو مکروہ تحریمی کیوں قرار دیا؟

یہاں شرنبلالی کی اس تصریح کا ذکر کرتا چلوں۔

وہ اپنے رسالہ کی ابتداء ہی میں کہتے ہیں کہ میں نے کوئی ایسی صریح نص نہیں دیکھی جو امام صاحب نے کہی ہو اور جس میں نماز جنازہ میں فاتحہ کی قراءت کو مکروہ قرار دیا گیا ہو، زیادہ سے زیادہ جو المبسوط میں دیکھا ہے وہ صرف اتنا ہے کہ

"لا يقرأ في صلاة الجنازة بشيئ من القرآن"

"نماز جنازہ میں قرآن سے کوئی قراءت نہ کی جائے۔"

یعنی مکروہ تحریمی تو دور کی بات ہے انہوں نے مطلق مکروہ کا لفظ بھی استعمال نہیں کیا۔ ذرا تحقیق کریں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا سبب احناف کے نزدیک مکروہ کا مفہوم ہے، اور اس بات کو سمجھنے سے قبل یہ جان لیجئے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک اگر کسی چیز پر حکم لگانا ہو تو وہ احکام خمسہ میں دائر رہے گا۔

یعنی

1۔ فرض یا واجب کہ جس کا کرنا لازم ہے، حکم بجا لانے پر ثواب اور نہ کرنے کو گناہ سمجھا جائے گا کہ جس پر وہ شخص عقاب کا مستحق ہو گا۔

2۔ مندوب: جسے سنت، مستحب اور نفل بھی کہا گیا کہ جس کے اداء کرنے پر ثواب حاصل ہو گا، کبھی کبھار ترک کر دیا تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر اکثر اوقات میں ترک کرتا رہا تو ایسا شخص ملامت کا مستحق ہو گا۔

3۔ حرام: جس کے چھوڑنے پر ثواب ہو اور جس کا کرنا گناہ ہو، جو کہ پھر سزا کا مستحق ہو۔

4۔ مکروہ: جس کا چھوڑنا زیادہ بہتر ہو اور اسی لیے وہ مکروہ عمل کے اللہ کی خاطر ترک کرنے پر ثواب کا مستحق ہو گا اور کرے گا تو پھر اللہ کے ہاں ملامت کا حقدار ہو گا۔

5۔ مباح: جسے حلال بھی کہا جا سکتا ہے کہ انسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اسے کرے یا نہ کرے، کرے تو قابل تعریف نہیں، نہ کرے تو قابل مذمت نہیں۔

یہاں فقہاء احناف نے دلیل کے قطعی یا ظنی ہونے کی بنا پر دو حکموں کا اضافہ کر دیا۔ فرض کے بعد واجب کا یعنی فرض وہ امر ہے جو قطعی دلیل (قرآن) سے ثابت ہو اور واجب وہ ہے جو ظنی (حدیث آحاد) سے ثابت ہو۔

اور اسی طرح مکروہ کی دو قسمیں قرار دے ڈالیں۔

مکروہ تحریمی: دلیل ظنی کی بنا پر کسی چیز کے نہ کرنے کا حتمی مطالبہ کیا گیا ہو (بمقابل حرام جس میں دلیل قطعی کی بنا پر کسی چیز سے منع کیا گیا ہو) اور اس کا حکم حرام کے قریب قریب ہی رہتا ہے۔

اور مکروہ تنزیہی: کسی چیز سے منع تو کیا گیا ہے لیکن اسے لازمی طور پر منع نہیں کیا گیا اور اس کا کرنے والا نہ قابل مذمت ہے اور نہ قابل تعریف، اسے خلاف اولیٰ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہ تقسیم اس لحاظ سے قابل قبول سمجھی جائے گی کہ جسے یقین کے مقابلے میں 'ظن' کو سمجھا جاتا ہے۔ ظن اپنے ادنیٰ درجہ میں وہم یا خیال یا غیر یقینی صورتحال کا تقاضا کرتا ہے اور ایسے ظن کی مذمت کی گئی ہے۔

اور وہ ظن جو یقین سے قریب قریب ہو اسے ظن غالب بھی کہا جاتا ہے اور پھر اسے قابل عمل بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔

ایسے ہی ہم کراہت کے درجات کے حساب سے ایک

عمل کو بالکل چھوڑ دینے یا کبھی کبھار چھوڑ دینے کے پیمانے سے جانچنے کی کوشش کریں گے۔

اب یہ ایک متقی عالم کا کام ہے کہ کسی فعل پر مکروہ تحریمی کا حکم لگانے سے پہلے ہزار بار سوچے کہ وہ ایک غلط حکم تو نہیں لگا رہا ہے؟

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ جن ائمہ (امام ابو حنیفہ، صاحبین وغیرہم) کے فتویٰ پر اعتبار کیا جاتا ہے انہوں نے یہ لفظ قطعاً استعمال نہیں کیا۔

ابن عابدین نے متن (یعنی الدر المختار) کی عبارت "وتكره بنية القراءة" پر لکھا کہ بظاہر یہ کراہت تحریمی دکھائی دیتا ہے۔"

ابن عابدین (محمد امین بن عمر تیرہویں صدی کے عالم ہیں، ان کی وفات 1252ھ میں ہوئی) متاخرین احناف میں سے ہیں۔

اب یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ قول متاخرین احناف کا ہے اور یہ انہی فقہاء کا قول ہو سکتا ہے کہ جن کی رسائی صرف کتب فقہ تک رہی، انہوں نے احادیث کے ذخیرے کو چھاپنے کی کوشش نہ کی اور شرنبلالی کی مانند جس فقیہ نے بھی سنت، آثار کا گہرا مطالعہ کیا وہ متاخرین حنفیہ کی اس جسارت کو ہضم نہ کر سکے اور اس سنت کو بیان کرنے کے لیے قلم اٹھانے پر مجبور ہوئے۔

عصر حاضر کے جن علماء احناف نے اس سنت کا اقرار کیا، چاہے دبی زبان ہی سے کیا ہو وہ عند اللہ ماجور ہوں گے اور جو اَب بھی ڈھٹائی سے سنت کو مکروہ تحریمی بنانے پر مصر ہوں وہ پھر اپنی عاقبت کی فکر کریں۔ بہرحال ایک دن انہوں نے بھی حوض کوثر پر حاضری دینی ہے، جہاں اللہ کے رسول ﷺ ان تمام لوگوں کو دھتکار دیں گے جو احداث فی الدین (دین میں نئی من گھڑت بات) داخل کرنے کے مرتکب ہوئے تھے۔

اور آخر میں یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم اہل اسلام کو دین حق پر قائم رکھے، ہماری سنت سے شیفتگی برقرار رکھے اور قیامت کے دن اللہ کے رسول کی شفاعت نصیب فرمائے۔وصلى الله تعالى على نبيا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين

☆☆☆

سلف کا رمضان

شیخ صالح فوزان لکھتے ہیں:

سلف کا حال جیسا کہ ثقات کی اسانید سے مروی شدہ کتب میں مدون ہے کہ وہ رمضان داخل ہونے سے پہلے اللہ تعالی سے دعاء فرمایا کرتے تھے کہ انہیں رمضان تک پہنچا دے اس خیر عظیم اور عام نفع کو جانتے ہوئے کہ جو اس میں پنہاں ہیں۔ پھر جب رمضان داخل ہو جاتا تو اللہ تعالی سے دعاء فرماتے ہیں کہ وہ انہیں اس میں عمل صالح کرنے میں مدد فرمائے۔ اور جب رمضان ختم ہو جاتا تو دعاء فرماتے کہ ان کے یہ اعمال بارگاہ الہی میں شرف قبولیت پا جائیں۔ جیسا کہ ارشاد الہی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ0 اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ﴾ (المؤمنون: 60-61)

"اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں مگر اس کے باوجود ان کے دل کپکپاتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں، یہی ہیں جو بھلائیوں میں جلدی کرتے ہیں اور یہی ہیں جو ان کی طرف سبقت کرنے والے ہیں۔"

یعنی وہ عمل میں خوب محنت کرتے تھے پھر بھی عمل کر لینے کے بعد انہیں فکر لاحق ہوتی کہ آیا یہ قبول بھی ہوا کہ نہیں؟ یہ اس لیے کہ وہ اللہ تعالی کی کماحقہ عظمت کو پہچانتے تھے اور یہ کہ وہ صرف اور صرف اسی عمل کو قبول فرماتا ہے جو خالصتاً لوجہ اللہ کیا جائے، اور بر مبنیٔ صواب یعنی سنت کے مطابق بھی ہو۔ پس وہ اپنے آپ کی پارسائی بیان نہیں کرتے تھے، بلکہ ڈرتے تھے کہ ان کے اعمال باطل نہ ہو جائیں، پس اعمال قبول ہوں یا نہ ہوں اس کی فکر انہیں عمل کی ادائیگی سے زیادہ دشوار لگتی تھی۔

کیونکہ فرمان الٰہی ہے:

﴿اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (المائدۃ: 27)

"اللہ تعالیٰ تو صرف تقویٰ والوں کا ہی عمل قبول کرتا ہے۔"

وہ اس ماہ میں عبادت کے لیے اپنے آپ کو فارغ کر دیتے اور دنیاوی مصروفیات کم کر دیا کرتے تھے۔ زیادہ وقت اللہ کے گھروں میں گزارتے اور کہتے کہ ہم اپنے روزوں کی حفاظت کر رہے اور کسی کی غیبت نہیں کرنا چاہتے۔ اپنے ساتھ مصاحف لاتے اور کتاب اللہ کو پڑھتے پڑھاتے۔ وہ اپنے اوقات کو ضائع ہونے سے بچاتے۔ فضولیات میں وقت ضائع نہیں کرتے جیسا کہ آجکل بہت سے لوگوں کا حال ہے۔ رات کے اوقات کی حفاظت کرتے قیام اللیل کے ساتھ اور دن کے اوقات کی روزے، تلاوت قرآن، ذکر الہی اور دیگر اعمال خیر کے ساتھ۔ اس میں سے ایک منٹ یا ایک لحظہ بھی وہ ضائع نہیں کیا کرتے تھے بلکہ اس میں بھی کوئی عمل خیر کر لیا کرتے تھے۔

☆☆☆

داڑھی کاٹنا مثلہ ہے: داڑھی کاٹنے یا منڈوانے کو "مثلہ" کہا گیا ہے، مثلہ عربی زبان کا لفظ ہے جو اردو زبان میں بھی مستعمل ہے، جس کا معنی ہے:

" بطور سزا یا انتقام کے ناک، کان، کاٹ ڈالنا، نعش کو مسخ کرنا، عبرت ناک سزا، ناک، کان وغیرہ کاٹ کر بگاڑی ہوئی صورت۔"

قدیم زمانے میں یہ ہوتا تھا کہ دشمن کو قتل کرنے کے بعد اپنی نفرت کا اظہار کرنے کے لئے اس کی لاش کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاتا تھا، اس طرح کی نفرت اس ترقی یافتہ زمانے میں بھی پائی جاتی ہے، آئے دن ہم اخبارات میں ایسی خبریں پڑھتے ہیں۔ دین اسلام میں مثلہ کی اجازت نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ چاہے مسلم ہو کہ غیر مسلم، کسی کا بھی مثلہ نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ حدیث میں ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنِ المثلَةِ

"رسول اللہ ﷺ نے مثلہ کرنے سے منع فرمایا۔"
(شرح معانی الآثار:4912؛ صحیح الجامع:6899)

مثلہ کی اس تعریف کے بعد یہ سمجھنا چاہئے کہ یا تو مثلہ جنگ کے میدان میں ہوتا ہے یا باہمی عمل و غارتگری میں ہوتا ہے لیکن داڑھی کی اہمیت رسول اللہ ﷺ کے نزدیک اتنی زیادہ تھی کہ کوئی مسلمان اگر اپنی داڑھی کو منڈواتا ہے یا کترواتا ہے تو اسے بھی مثلہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ کسی انسان کا نفرت کے مارے مثلہ کرنا جتنا قبیح کام ہے اسی طرح کسی بھی مؤمن کا اپنی داڑھی کو منڈوانا یا کتروانا بھی اتنا ہی قبیح کام ہے اس کے ذریعہ سے وہ اللہ کے حکم، انبیاء کے عمل اور اپنے دین کا نہ صرف مذاق اڑا رہا ہے بلکہ مثلہ کی طرح قبیح کام انجام دے رہا ہے ۔ اس لئے حدیث میں ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ مَثَّلَ بِالشَّعْرِ فَلَيْسَ لَهُ عِنْدَ اللهِ خَلاقُ

"جو بالوں کے ساتھ مثلہ کرے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی حصہ نہیں ۔" (معجم الکبیر للطبرانی : 253-9)

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں (ہدایہ شریف مسلک حنفی کے نزدیک فقہ حنفی کی انتہائی معتبر کتاب ہے)

"خَلْقَ الشَّعْرِ فِي حَقِّهَا مَثْلَةٌ كَحَلْقِ اللِّحْيَةِ فِي حَقِّ الرِّجَالِ " (ہدایہ)

"عورتوں کے حق میں سر کے بال منڈانا مثلہ ہے جیسے مردوں کے بارے میں داڑھی منڈانا مثلہ ہے۔"

اسی طرح صاحب روح البیان و بحر الرائق فرماتے ہیں: "جیسے عورتوں کے حق میں سر منڈانا مثلہ ہے اور مردوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے اور اس کی خوبصورتی جاتی رہتی ہے اسی طرح مردوں کے لئے داڑھی منڈانا مثلہ ہے اور عورتوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے اور چہرہ کی خوبصورتی جاتی رہتی ہے۔"

اسی طرح صاحب تبیین الحقائق بیان فرماتے ہیں کہ

"لا تأخذ مِنَ اللِّحْيَةِ شَيْئًا لانه مثلة "

"اپنی داڑھی کے کسی بھی بال کو نہ منڈوائے اور نہ ترشوایئے کیونکہ یہ مثلہ ہے۔"

پانچویں خلیفہ سیدنا عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ "داڑھی منڈوانا مثلہ ہے اور اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔" (ابن عساکر)

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ

" اس بات پر اتفاق ہے کہ ساری داڑھی منڈا دینا مثلہ ہے اور یہ جائز نہیں۔" (مراتب الاجماع: ص 157)

یہی وجہ ہے کہ علمائے کبار نے بھی اس مسئلے کو مثلہ قرار دیا ہے اور اس کی حرمت پر فتوے بھی دئے ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وَيَحْرَمَ حَلْقَ اللِّحْيَةِ "

"داڑھی مونڈنا حرام ہے۔" (الاختیارات العلمیہ: ص7)

مشہور حنفی عالم امام ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: "مرد کا داڑھی مونڈنا حرام ہے۔"

اسی طرح مالکی مذہب کے مشہور فقیہ و عالم علامہ عدوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ٹھوڑی کے نیچے کے بال مونڈنا مکروہ ہے، ان سے یہ بھی منقول ہے کہ " یہ مجوسیوں کا فعل ہے، داڑھی مونڈنا یکسر حرام ہے۔"

خلاصہ کلام یہ ہے کہ داڑھی مونڈنا و کتروانا مکروہ و ناجائز فعل ہے ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اللہ کی محبت ، رسول اللہ ﷺ و دیگر انبیاء و مرسلین کی محبت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت میں داڑھی کو رکھے اور اپنے دین اسلام سے محبت کا ثبوت دیں۔ داڑھی کو منڈوا کر حجاموں کا کاروبار عروج پر پہنچایا جا رہا ہے، کروڑوں روپے ہر ماہ حجاموں کی نذر کئے جاتے ہیں، اگر مسلمان داڑھی منڈوانا چھوڑ دیں تو ان کی کروڑوں روپے کی دولت محفوظ رہ سکتی ہے۔ داڑھی مونڈنے والے کم از کم ہر ماہ چار مرتبہ اور سالانہ 52 مرتبہ اپنی داڑھی منڈواتے ہیں۔ تو ایک فرد تخمیناً 5200 روپے سالانہ صرف داڑھی منڈانے پر صَرف کر رہا ہے، صوبہ تلنگانہ میں ڈیڑھ کروڑ مسلمان آباد ہیں، اگر ایک کروڑ مسلمان داڑھی منڈواتے ہیں تو سالانہ 52 بلین روپئے صرف داڑھی منڈوانے پر خرچ کئے جا رہے ہیں۔ ایک جانب رب کی بھی نافرمانی ہو رہی ہے تو دوسری جانب دولت کا ضیاع بھی ہو رہا ہے۔

داڑھی مونڈے مسلمان کی گواہی ناقابل قبول ہوگی :

دین اسلام کے کئی معاملات ایسے ہیں جس میں گواہی کی ضرورت ہوتی ہے اگر 2 مسلمان کسی چیز کی گواہی دیں تو ان کی گواہی قبول کی جاتی ہے اگر کوئی مسلمان داڑھی مونڈتا ہے تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کر رہا ہے اور دین کے حکم کا مذاق اڑا رہا ہے تو دین کے

معاملے میں ایسے آدمی کی گواہی کیسے قبول کی جائے گی؟ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:
" رَدَّ عُمَرَ بنَ الخَطّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْه وَابْنَ أَبِي لَيْلَى قَاضِي المَدِينَةِ شَهَادَةَ مَنْ كَانَ يشف لحية " (احیاء العلوم)
"سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن ابی لیلی قاضی مدینہ نے داڑھی کے کتروانے والے کی گواہی رد فرمائی۔"
اسلام کے پانچویں خلیفہ سیدنا عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایسے شخص کی شہادت قبول نہیں فرمائی۔
شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ " شَهِدَ رَجُلٌ عِنْدَ عُمر بن عَبْدَ العزيز وكان ينتف لحية ...... فَرَدَّ شَهَادَتَهُ " ایک شخص نے عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کسی مقدمے میں شہادت دی اور وہ شخص اپنی داڑھی کا ایک خفیف حصہ جس کو کاٹھی کہتے ہیں کاٹا کرتا تھا اسی وجہ سے اس کی شہادت قبول نہ ہوئی۔" (قوت القلوب)

سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی داڑھی: تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم داڑھی رکھا کرتے تھے، کوئی بھی صحابی رسول ایسے نہ تھے جو داڑھی منڈوایا کرتے تھے یا کتروایا کرتے تھے۔ تمام خلفائے راشدین داڑھی رکھا کرتے تھے بلکہ داڑھی کو اس کے اصلی حال پر چھوڑ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی داڑھی مبارک کے متعلق ایک روایت یوں ذکر کی گئی ہے کہ ان عثمان كَانَ رَجُلاً رَبْعَةً حَسَنَ الوَجْهِ كثير شعرِ اللّحْيَةِ عَظِيمَ الكَرَادِيْس "
"سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ میانہ قد کے آدمی تھے، آپ کا چہرہ مبارک بہت خوبصورت تھا، داڑھی مبارک بہت گھنی تھی اور جوڑ کی ہڈیاں عظیم کاں تھیں۔" (ابن عساکر)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی داڑھی مبارکہ: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی داڑھی مبارکہ بھی بہت گھنی تھی، لہٰذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ بھی گھنی داڑھی رکھیں۔ ایک روایت میں آتا ہے: وَكَانَ عَلَى شَيْخاً رَ بعَةً عَظِيمَ اللّحْيَةِ جِدًا قَدْ مَلَأَتْ مَا بين مَنْكِبَيْهِ بَيْضَاءَ كَلها
"سیدنا علی رضی اللہ عنہ میانہ قد کے بزرگ تھے اور آپ کی داڑھی مبارک بہت زیادہ تھی دونوں مونڈھوں کے درمیان بھری تھی اور کل سفید تھی۔" (تاریخ)

داڑھی کو تراشنے کا استدلال: عموما جو لوگ داڑھی کو تراشتے ہیں یا ایک مشت داڑھی رکھ کر بقیہ کاٹ دیتے ہیں وہ اپنے اس عمل پر جو دلیل پیش کرتے ہیں وہ صحابی رسول سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مخصوص عمل ہے جس کا تذکرہ صحیح بخاری میں کیا گیا ہے:
كَانَ ابْنَ عُمَرَ إِذَا حَجَ أَوْ اعْتَمَرَ قَبَضَ عَلَى الحيتِهِ فَا فَضَلَ أَخَذَهُ " "سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حج یا عمرہ میں اپنی داڑھی کو جب ایک مشت سے زائد ہوتی تر شوالیا کرتے تھے۔" (صحیح بخاری)
سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث کے متعلق محدثین کرام رضی اللہ عنہم بیان فرماتے ہیں، صاحب التوضیح بیان فرماتے ہیں کہ
"فَإِنْ قُلْتَ إِذَا كَانَ الْأَعْضَاءُ مَأْمُوراً بِهِ فَلَمْ أَخَذَ ابن عُمَرَ وَ هُوَ رَاوِي الحَدِيثِ قُلْتَ لَعَلَّهُ خَصّصَ بِالحَج وَالنّهى كَفَعَل الأَعَاجِم ." (غایۃ التوضیح شرح الجامع الصحیح البخاری)
"اگر آپ اعتراض کریں کہ جب داڑھی بڑھانے کا حکم دیا گیا ہے تو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کیوں ترشوائی، حالانکہ اعضائی (داڑھی چھوڑنے والی حدیث) کے خود راوی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو مخصوص کر لیا ہے، کٹانے کی ممانعت حج کے سوا اور اوقات میں ہے جیسے بھی لوگ ہر وقت قطع کرواتے ہیں۔"
اسکی تشریح فرماتے ہوئے امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں: "قَالَ الكِرْمَانِي لَعَلّ ابْنَ عُمَرَ أَرَادَ الجمع بين الحلْقِ وَالتَقْصِيرِ فِي النّكِ فَحَلَقَ رَأْسَهُ كَلّهُ وَ قصرِ مِنْ حَيْتِهِ لَيَدْخُلَ فِي عَمَوْمٍ قَوْلِهِ تَعَالَى محلقين رؤؤسَكُمْ وَمُقَصرِينَ وَخَصَ ذَالِكَ مِنْ عَمَوْم قَوْلِهِ وَفرُوْا اللّحى فَحَمَلَهُ عَلَى غَير حَالَةِ الشنك."
امام کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ "سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حج میں حلق و قصر کو جمع کرنا چاہا، اس لئے تمام سر کو منڈوایا اور داڑھی کے بھی کچھ بال ترشوائے تا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول "محلقين رؤؤسَكُمْ وَمقصرين" میں داخل ہو جائیں اور اعضاء کے عموم کو اس خاص وقت میں مخصوص کر لیا ہے 'وفروا' کو حج سے علاوہ کے دیگر اوقات پر محمول کیا ہے۔ (فتح الباری: 497-24)
سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل دائمی نہیں تھا بلکہ وہ صرف حج و عمرہ میں یہ عمل کیا کرتے تھے اس سے دائمی عمل مراد لینا غلط ہو گا، اگر کوئی حاجی اور معتمر اس طرح کا عمل کرتا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن یہ عمل سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا خاص عمل تھا دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی حج و عمرہ کی سعادت حاصل کی، لیکن کسی نے ایسا عمل نہیں کیا۔ جو لوگ دائمی طور پر یہ عمل کر رہے ہیں وہ خلاف سنت ہے۔
اس حدیث کے علاوہ بعض لوگ اور بھی روایات پیش کرتے ہیں جو سند ضعیف ہیں جیسا کہ سیدنا سماک بن یزید رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ " كَانَ عَلى رضى الله عنه يَأخُذ من لحيته مما يلى وَجْهَهُ" سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے چہرے کے قریب سے داڑھی مبارک کاٹتے تھے۔" (مصنف ابن ابی شیبہ: 25480/ ضعیف)
اس ضمن میں ایک اور روایت سیدنا ابو زرعہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی جاتی ہے کہ "كان ابو هريرة رضى الله عنه يَقْبِضُ عَلَى لحيتِهِ ثُمّ يَأْخُذْ مَا فَضَلَ عَنِ القَبْضَةِ ." "سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی داڑھی مبارک کو مٹھی پکڑتے اور مٹھی سے زائد داڑھی کو کاٹ دیتے تھے۔" (مصنف ابن ابی شیبہ: 25481/ضعیف)
یہ چند روایات تھیں جنہیں یہاں ذکر کر دیا گیا ہے، ہر مسلمان کو داڑھی چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا چاہئے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو اختیار کرنا چاہئے۔ احادیث صحیحہ کو ہم مشعل راہ بنائیں۔ دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل ہو گی۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

نماز کے ممنوعہ اوقات کے متعلق

حدیث نمبر:52

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبّاسٍ رضي الله عَنْهما قَالَ: «شَهِدَ عِنْدِي رِجَالٌ مَرْضِيُّونَ - وَأَرْضَاهُمْ عِنْدِي عُمَرُ - أَنّ النّبِيّ ﷺ نَهَى عَنْ الصّلاةِ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّى تَطْلُعَ الشّمْسُ، وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتّى تَغْرُبَ».

[رواه البخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب لا صلاة بعد الفجر حتى ترتفع الشمس، برقم 581، ومسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الأوقات التي نُهي عن الصلاة فيها، برقم 826]

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

”سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا: میرے پاس پسندیدہ اشخاص کی شہادت ہے اور ان میں میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد نماز پڑھنے سے منع کیا یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے اور عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع کیا یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے۔“ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1 : شَهِدَ :شہادت دی، گواہی دی۔

2 : رِجَالُ مَرْضِيُّونَ :پسندیدہ آدمی۔

3 : أَرْضَاهُمْ عِنْدِيْ :ان سب میں سے میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ

4 : نَهٰى: منع کر دیا، روک دیا۔

5 : حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ : یہاں تک سورج طلوع ہو جائے۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔ صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد نوافل کے لیے وقت ممنوع ہے۔ راجح قول کے مطابق سببی نماز ہر وقت ادا کی جاسکتی ہے مثلاً کسی فرض نماز کی قضا جو شرعی عذر سے رہ گئی ہو، تحیۃ المسجد، یا صبح کی سنتیں فرض سے پہلے ادا نہ کر سکنے کی صورت میں فرض کے بعد ادا کرنا، طواف کی دو رکعتیں، سورج یا چاند گرہن کی نماز۔ البتہ عام نوافل فجر کی نماز کے بعد ممنوع ہیں۔

2۔ سورج طلوع ہونے کے تھوڑی دیر بعد سے نوافل ادا کرنے کی اجازت ہے۔

3۔ نماز عصر کے بعد بھی نوافل کے لیے وقت ممنوع ہے مگر اگر سورج سفید یعنی زرد نہ ہوا ہو تو راجح قول کے نوافل پڑھے جاسکتے ہیں۔

اس کی دلیل ابوداؤد کی یہ صحیح حدیث ہے جس کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے:

عَنْ عَلِيٍّ أَنّ النّبِيّ ﷺ نَهَى عَنْ الصّلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ إِلّا وَالشّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ

(سنن أبي داود كتاب الصلاة، باب من رخص فيهما إذا كانت الشمس مرتفعة: 1274)

رسول اللہ ﷺ نے عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے ہاں اگر سورج ابھی بلند ہو تو پڑھی جاسکتی ہے۔

نماز کے ممنوعہ اوقات کے متعلق

حدیث نمبر:53

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيّ رضي الله عَنْه؛ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ : «لَا صَلَاةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّى تَرْتَفِعَ الشّمْسُ، وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّى تَغِيبَ الشّمْسُ».

[رواه البخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب لا يتحرى الصلاة قبل غروب الشمس، برقم 586، ومسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الأوقات التي نهي عن الصلاة فيها، برقم 827]

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: صبح کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے۔ عصر کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے۔ (بخاری و مسلم)

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1 : لَا صَلَاةَ : نماز نہیں ہے۔

2 : بَعْدَ الصُّبْحِ : نماز فجر کے بعد۔

3 : تَرْتَفِعُ الشَّمْسُ :سورج بلند ہوتا ہے۔

4 : تَغِيْبُ الشَّمْسُ :سورج غروب ہوتا ہے۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔ نماز فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک عام نوافل پڑھنا ممنوع ہیں۔ البتہ راجح قول کے مطابق سببی نماز وغیرہ پڑھنا جائز ہے۔ جس کی تفصیل سابقہ حدیث مبارکہ میں بیان ہو چکی ہے۔

2۔ نماز عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک نوافل پڑھنا ممنوع ہیں مگر اگر سورج بلند ہو سفید ہو زرد نہ ہوا ہو تو نوافل ادا کئے جاسکتے ہیں۔ جیسا کہ سابقہ حدیث میں بیان ہو چکا ہے۔

3۔ طلوع آفتاب کے فوراً بعد نفل نماز کی اجازت نہیں ہے بلکہ جب سورج اچھی طرح طلوع ہو کر تھوڑا سا افق پر بلند ہو جائے تب نوافل ادا کرنے چاہئیں۔ واللہ اعلم

☆☆☆

بعض نیک اعمال ایسے ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے قیام اللیل کا اجر وثواب حاصل ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم ایسے اعمال کا تذکرہ کریں گے جن پر ہم عمل کر کے قیام اللیل یعنی تہجد کا اجر پا سکتے ہیں۔

1۔ اچھے اخلاق رکھنا

سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنّ الْمُؤْمِنَ يُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَاتِ قَائِمِ اللّيْلِ صَائِمِ النّهَارِ.»

"بلاشبہ مؤمن اپنے اچھے اخلاق کی بنا پر دن کو روزہ رکھنے والے اور رات کو قیام کرنے والے کا مقام پا لیتا ہے۔" (مسند احمد: 24355)

2۔ باجماعت نماز عشاء اور فجر ادا کرنا

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ صَلّى الْعِشَاءَ فِي جَمَاعَةٍ كَانَ كَقِيَامِ نِصْفِ لَيْلَةٍ، وَمَنْ صَلّى الْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ فِي جَمَاعَةٍ كَانَ كَقِيَامِ لَيْلَةٍ.»

"جس نے جماعت سے عشاء کی نماز پڑھی، گویا اس نے آدھی رات تک قیام کیا، اور جس نے عشاء اور فجر دونوں جماعت سے پڑھیں، اس نے گویا پوری رات قیام کیا۔" (سنن أبي داود: 556)

3۔ نماز ظہر سے پہلے چار رکعت ادا کرنا

ابو صالح سے مرفوعا مرسلا روایت ہے کہ

«أَرْبَعُ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ يَعْدِلْنَ بِصَلَاةِ السّحَرِ.»

"ظہر سے پہلے کی چار رکعات سحری (قیام اللیل) کی نماز کے برابر ہیں۔" (سلسلہ صحیحہ: 1431)

ایک اور روایت میں ان چار رکعتوں کا اجر بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ صَلّى قَبْلَ الظُّهْرِ أَرْبَعًا، وَبَعْدَهَا أَرْبَعًا، حَرّمَهُ اللهُ عَلَى النّارِ.»

"جس شخص نے ظہر سے پہلے 4 رکعتیں اور ظہر کے بعد 4 رکعتیں پڑھیں تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم پر حرام کر دے گا۔" (سنن ابن ماجہ: 1160)

4۔ جمعے کے آداب کا خیال رکھنے والا

سیدنا اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَغَسّلَ وَبَكّرَ وَابْتَكَرَ وَدَنَا وَاسْتَمَعَ وَأَنْصَتَ كَانَ لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ يَخْطُوهَا أَجْرُ سَنَةٍ صِيَامُهَا وَقِيَامُهَا.»

جس نے جمعہ کے دن غسل کیا اور غسل کرایا، اور جلدی پہنچا، شروع سے خطبہ میں شریک رہا، امام کے قریب بیٹھا اور غور سے خطبہ سنا اور خاموش رہا تو اسے اس کے ہر قدم کے بدلے ایک سال کے روزے اور رات کے قیام کا ثواب ملے گا۔ (سنن ترمذی: 496)

5۔ تہجد کی نیت کر کے سونا

سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَتَى فِرَاشَهُ وَهُوَ يَنْوِي أَنْ يَقُومَ فَيُصَلِّيَ مِنَ اللّيْلِ فَغَلَبَتْهُ عَيْنُهُ حَتّى يُصْبِحَ، كُتِبَ لَهُ مَا نَوَى وَكَانَ نَوْمُهُ صَدَقَةً عَلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ.»

"جو شخص سونے کے لیے بستر پر آتا ہے اور اس کی نیت ہوتی ہے کہ وہ رات کو اٹھ کر نماز پڑھے گا، پھر اس پر صبح تک نیند غالب آ جاتی ہے، تو اس کے لیے اس کی نیت کے مطابق اجر وثواب لکھا جاتا ہے (یعنی اس کے لیے قیام اللیل کا اجر وثوب لکھا جاتا ہے) اور اس کی نیند اس کے رب کی طرف سے اس پر صدقہ ہے۔" (سنن ابن ماجہ: 1344)

6۔ مکمل نماز تراویح ادا کرنا

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

صُمْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ رَمَضَانَ، فَلَمْ يَقُمْ بِنَا النّبِيُّ ﷺ حَتّى بَقِيَ سَبْعٌ مِنَ الشّهْرِ، فَقَامَ بِنَا حَتّى ذَهَبَ نَحْوٌ مِنْ ثُلُثِ اللّيْلِ، ثُمّ كَانَتْ سَادِسَةٌ فَلَمْ يَقُمْ بِنَا، فَلَمّا كَانَتِ الْخَامِسَةُ قَامَ بِنَا حَتّى ذَهَبَ نَحْوٌ مِنْ شَطْرِ اللّيْلِ، قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ، لَوْ نَفّلْتَنَا قِيَامَ هَذِهِ اللّيْلَةِ، قَالَ: إِنّ الرّجُلَ إِذَا صَلّى مَعَ الْإِمَامِ حَتّى يَنْصَرِفَ حُسِبَ لَهُ قِيَامُ لَيْلَةٍ.

"ہم نے رمضان میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روزے رکھے، لیکن رسول اللہ ﷺ ہمیں تراویح پڑھانے کھڑے نہیں ہوئے یہاں تک کہ رمضان کے مہینہ کی سات راتیں رہ گئیں، تو آپ ہمیں تراویح پڑھانے کھڑے ہوئے (اور پڑھاتے رہے) یہاں تک کہ تہائی رات کے قریب گزر گئی، پھر چھٹی رات آئی لیکن آپ ہمیں پڑھانے کھڑے نہیں ہوئے، پھر جب پانچویں رات آئی تو آپ ہمیں

تراویح پڑھانے کھڑے ہوئے (اور پڑھاتے رہے) یہاں تک کہ تقریباً آدھی رات گزر گئی، تو ہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کاش آپ یہ رات پوری پڑھاتے، آپ نے فرمایا: آدمی جب امام کے ساتھ نماز پڑھتا ہے یہاں تک کہ وہ فارغ ہو جائے تو اس کے لیے پوری رات کا قیام شمار کیا جاتا ہے۔" (سنن نسائی : 1369)

7۔رات کو سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھنا

سیدنا ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«مَنْ قَرَأَ بِالآيَتَيْنِ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ فِي لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ.»

"جو شخص رات میں سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھ لے وہ اس کے لیے کافی ہو جائیں گی۔" (صحیح بخاری: 4008)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :

کافی ہو جانے سے مراد ہے اسے قیام اللیل میں قرآن پڑھنے سے کافی ہو جائیں گی۔(فتح الباری : 56/9)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

قِيل : مَعْنَاهُ كَفَتَاهُ مِنْ قِيَام اللَّيْل، وَقِيلَ: مِنْ الشَّيْطَان ، وَقِيلَ: مِنْ الآفَات ، وَيَحْتَمِل مِنْ الْجَمِيع.

"کہا گیا ہے کہ اسے قیام اللیل سے کافی ہو جائیں گی، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسے شیطان کے مقابلے میں کافی ہو جائیں گی، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسے تمام آفات سے کافی ہو جائیں گی ، البتہ ان سب کا احتمال موجود ہے۔" (شرح النووی :6/ 91)

8۔رات کو ایک سو آیات کی تلاوت کرنا

سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«مَنْ قَرَأَ بِمِئَةِ آيَةٍ فِي لَيْلَةٍ كُتِبَ لَهُ قُنُوتُ لَيْلَةٍ.» (سنن دارمی : 3493)

"جو شخص رات کو ایک سو آیات پڑھے گا اس کے لیے رات کی عبادت کا اجر و ثواب لکھا جائے گا۔"

9۔بیواؤں اور مسکینوں کی مدد کرنا

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلسَّاعِي عَلَى الأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ؛ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوْ الْقَائِمِ اللَّيْلَ الصَّائِمِ النَّهَارَ.»

"بیواؤں اور مسکینوں کے لیے کوشش کرنے والا اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے یا اس شخص کی طرح ہے جو دن میں روزے رکھتا ہے اور رات کو عبادت کرتا ہے۔" (صحیح بخاری: 6006)

☆☆☆

شب قدر

شاد وخرم نہ ہوں کیوں اہل زمیں آج کی رات ... ہے جو مائل بہ کرم عرشِ نشیں آج کی رات
حاملِ دین بنے سرورِ دیں آج کی رات ... جن پہ نازل ہوا قرآنِ مبیں آج کی رات
آج کی رات پہ قربان ہزاروں راتیں ... صرف اک رات بس اک رات نہیں آج کی رات
بزمِ دنیا میں فرشتوں کی جماعت لے کر ... رونق افروز ہیں جبریلؑ امیں آج کی رات
لیلۃ القدر ملی ہے تو غنیمت سمجھو ... کیا ہر انسان کو ملتی ہے کہیں آج کی رات
مری شہہ رگ سے ہے نزدیک مگر اے مولا ... آمرے اور قریں اور قریں آج کی رات
پوچھتے کیا ہو شب قدر کی قدر وقیمت ... آسماں بن گئی یہ سطحِ زمیں آج کی رات
خیر وبرکت بھی ہے انوار کی بارش بھی ہے ... کتنی پرکیف ہے اور کتنی حسیں آج کی رات
آج کی رات شب قدر جو کہلاتی ہے ... ہر خذف ریزہ ہے اک درِّ ثمیں آج کی رات
روح کو ملتی ہے بالیدگیٔ فکر ونظر ... تازہ ہو جاتا ہے ایمان ویقیں آج کی رات
بھر گیا گوہرِ مقصود سے دامانِ طلب ... شاداں ہو گیا ہر قلب حزیں آج کی رات
آج کی رات ہر اک ذرّہ ہے جو سر بہ سجود ... خود بخود جھک گئی میری بھی جبیں آج کی رات
چاند سورج کو ضیاء بخشی ہے جس نے حماد ... خانۂ دل میں مکیں ہے وہ حسیں آج کی رات

مولانا ابو البیان حماد عمری رحمہ اللہ

ظالم سے انتقام لینے کی بجائے عفو ودرگزر

گو کہ ظالم سے بدلہ لینے کی قدرت نہ ہونے کے باوجود بھی اسے معاف کر دینا نیکی ہے کیونکہ اس سے ظلم کرنے والے کا عِند اللہ مواخذہ نہیں ہوتا، لیکن بدلے اور انتقام کی قدرت کے باوجود ظالم کو معاف کرنا بہت بڑی نیکی ہے، کیونکہ اس صورت میں معاف کر دینے کی وجہ خالصتاً رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

جَعَلَ رَجُلٌ يَشْتِمُ أَبَا بَكْرٍ وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ، فَجَعَلَ يَعْجَبُ وَيَتَبَسَّمُ، فَلَمَّا أَكْثَرَ رَدَّ عَلَيْهِ أَبُو بَكْرٍ بَعْضَ قَوْلِهِ، فَغَضِبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَامَ، فَلَحِقَهُ أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! كَانَ يَشْتُمُنِي وَأَنْتَ جَالِسٌ، فَلَمَّا رَدَدْتُ عَلَيْهِ بَعْضَ قَوْلِهِ غَضِبْتَ وَقُمْتَ، قَالَ: «فَإِنَّهُ كَانَ مَعَكَ مَنْ يَرُدُّ عَنْكَ، فَلَمَّا رَدَدْتَ عَلَيْهِ قَعَدَ الشَّيْطَانُ فَلَمْ أَكُنْ لِأَقْعُدَ مَعَ الشَّيْطَانِ.» ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا أَبَا بَكْرٍ! مَا مِنْ عَبْدٍ ظُلِمَ مَظْلِمَةً فَغَضَى عَنْهَا لِلهِ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا أَعَزَّ اللهُ بِهَا نَصْرَهُ.»

(مسند أحمد: 436/2- سلسلة الأحاديث الصحيحة:2231)

”ایک آدمی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بُرا بھلا کہے جا رہا تھا، حالانکہ رسول اللہ ﷺ بھی تشریف فرما تھے، آپ ﷺ کو اس کی یہ حرکت بہت عجیب لگی اور آپ ﷺ مسکرانے لگے۔ لیکن جب وہ بہت زیادہ ہی بولنے لگ گیا، تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی کسی بات کا جواب دے دیا، تو رسول اللہ ﷺ غصے میں آ گئے اور اُٹھ کر چلے گئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پیچھے گئے اور عرض کیا:

اے اللہ کے رسول! جب تک وہ مجھے بُرا بھلا کہتا رہا تو آپ ﷺ بیٹھے رہے اور جب میں نے اس کی ایک بات کا جواب دے دیا، تو آپ ﷺ نے غصہ کر لیا اور اُٹھ کر آ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”اس لیے کہ (اللہ کی طرف سے) تیرے ساتھ (ایک فرشتہ) مقرر تھا جو تیری طرف سے اسے جواب دے رہا تھا، لیکن جب تم نے اس کا جواب دیا تو شیطان (وہاں آ کر) بیٹھ گیا، اور میں شیطان کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتا تھا۔“

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اے ابو بکر! جس بندے پر بھی ظلم کیا جائے اور وہ اللہ کی خاطر خاموش رہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مدد کے ساتھ اسے عزت و غلبہ عطا فرما دیتا ہے۔“

سیدنا سعید بن مسیّب رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ

بَيْنَمَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ وَمَعَهُ أَصْحَابُهُ، وَقَعَ رَجُلٌ بِأَبِي بَكْرٍ فَآذَاهُ، فَصَمَتَ عَنْهُ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، ثُمَّ آذَاهُ الثَّانِيَةَ، فَصَمَتَ عَنْهُ أَبُو بَكْرٍ، ثُمَّ آذَاهُ الثَّالِثَةَ، فَانْتَصَرَ مِنْهُ أَبُو بَكْرٍ، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ انْتَصَرَ أَبُو بَكْرٍ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: أَوَجَدْتَ عَلَيَّ يَا رَسُولَ اللهِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «نَزَلَ مَلَكٌ مِنَ السَّمَاءِ يُكَذِّبُهُ بِمَا قَالَ لَكَ، فَلَمَّا انْتَصَرْتَ وَقَعَ الشَّيْطَانُ، فَلَمْ أَكُنْ لِأَجْلِسَ إِذْ وَقَعَ الشَّيْطَانُ.» (سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في الانتصار:4896)

”رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ اسی دوران ایک آدمی سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ (کو بُرا بھلا کہہ کر) تکلیف دینے لگا، سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ خاموش رہے اور اسے کوئی جواب نہ دیا، اس نے دوسری بار اذیّت دی، سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ پھر بھی خاموش رہے، اس نے تیسری مرتبہ ایذاء رسانی کی تو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی جواب دے کر اس سے بدلہ لے لیا۔ جب سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بدلہ لیا تو رسول اللہ ﷺ اُٹھ کر چلے گئے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ ﷺ مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آسمان سے ایک فرشتہ اترا تھا جو اس آدمی کی ان باتوں کی تکذیب کر رہا تھا جو وہ کہہ رہا تھا، لیکن جب تُو نے بدلہ لیا تو شیطان آ گیا اور جب شیطان آ گیا تو میں وہاں نہیں بیٹھ سکتا تھا۔“

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ، وَمَا زَادَ اللهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللهُ.»

(صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب استحباب العفو والتواضع:2588-سنن ترمذى، أبواب البر والصلة، باب ما جاء في التواضع:

(2029

"صدقہ مال کو کم نہیں کرتا اور نہ کسی کو معاف کر دینے سے (عزت میں کمی ہو جاتی ہے، بلکہ (اللہ تعالیٰ عزّت میں اضافہ ہی فرماتا ہے، اور جو شخص بھی اللہ کیلئے جھک جاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلند کر دیتا ہے۔"

معاشرتی جاہلی رویّوں میں مخالف سے انتقام نہ لینا بزدلی اور ذِلّت کی علامت سمجھا جاتا ہے جو کہ فساد پھیلانے کا سراسر شیطانی ہتھکنڈہ ہے، حالانکہ درحقیقت معاف کرنا ہی عزت سے ہم کنار ہونے کا موجب عمل ہے۔

غصے سے اجتناب

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾

[آلعمران: 134] "غصے کو پی جانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے، اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والے) ایسے (لوگوں کو پسند فرماتا ہے۔"

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرْعَةِ.» قَالُوا: فَمَنِ الشَّدِيدُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: «الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ.»

(صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب الحذر من الغضب: 6114- صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل من یملك نفسه عند الغضب وبأي شيء يذهب الغضب: 2609)

"مدِّمقابل کو پچھاڑ دینے والا سخت جان نہیں ہوتا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! تو پھر سخت جان کون ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔"

یعنی آپ ﷺ نے فرمایا کہ بہادر اور سخت جان وہ نہیں ہوتا کہ جس کی کسی سے لڑائی ہو تو وہ مدِ مقابل کو چت کر دے، بلکہ حقیقی بہادر وہ شخص ہوتا ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے، جس پر غصہ ہو اسے اللہ کی رضا کی خاطر معاف کر دے اور جذبات میں آ کر کوئی ایسا کام نہ کر بیٹھے جس سے بعد میں ندامت اور پچھتاوا ہو۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرْعَةِ، وَلَكِنَّ الشَّدِيدَ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ.»

(صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب الحذر من الغضب: 6114- صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل من یملك نفسه عند الغضب وبأي شيء يذهب الغضب: 2609)

"مدِّمقابل کو پچھاڑ دینے والا سخت جان نہیں ہوتا بلکہ (درحقیقت) غصے کے وقت خود پر قابو رکھنے والا سخت جان ہوتا ہے۔"

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

جَاءَ رَجُلٌ إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مُرْنِي وَلَا تُكْثِرْ عَلَيَّ لَعَلِّي أَعْقِلُهُ، قَالَ: «لَا تَغْضَبْ.» فَأَعَادَ عَلَيْهِ، فَقَالَ: «لَا تَغْضَبْ.» وَفِي رِوَايَةٍ: دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا أَخَذْتُ بِهِ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ، الْحَدِيثَ.

(صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب الحذر من الغضب: 6116- سنن ترمذی، أبواب البر والصلة، باب ما جاء في كثرة الغضب: 2020- مسند أحمد:2/362)

"ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: مجھے (کسی عمل کا) حکم فرمائیے، لیکن بہت زیادہ احکام مت دیجیے، تاکہ میں اسے سمجھ سکوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: غصہ مت کیا کر۔ آپ ﷺ نے اسی بات کو بار بار دوہرایا اور فرمایا: "غصہ مت کیا کر۔"

ایک روایت میں یوں ہے کہ اس آدمی نے کہا: (اے اللہ کے رسول!) مجھے کوئی ایسا عمل بتلائیے کہ جس پر عمل پیرا ہو کر میں جنّت میں جا سکوں۔ اس کے بعد وہی ساری حدیث آخر تک۔"

اس سائل نے نبی ﷺ سے موجبِ جنت عمل کے بارے میں سوال کیا اور ساتھ ہی یہ کہہ دیا کہ میں بہت زیادہ احکام یاد نہیں رکھ سکتا بلکہ صرف ایک ہی جامع سا حکم بتلا دیجیے، تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا کہ غصہ مت کیا کر۔ تو گویا غصہ نہ کرنا بقیہ تمام احکام سے اہم ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے یقیناً اسے وہی حکم فرمایا ہو گا جو آپ ﷺ کی نظر میں سب سے زیادہ اہمیت کا حامل اور جامع ہو گا۔

البتہ یہ یاد رہے کہ

جن دیگر امور پر اس عمل کو فضیلت دی گئی ہے وہ نفلی امور ہیں، ان میں فرائض شامل نہیں ہیں، فرائض وواجبات کا حکم اپنی جگہ برقرار رہے گا کیونکہ ان کی کسی بھی شخص کے لیے معافی نہیں ہے۔

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ قَائِمٌ فَلْيَجْلِسْ، فَإِنْ ذَهَبَ عَنْهُ الْغَضَبُ وَإِلَّا فَلْيَضْطَجِعْ.»

(سنن أبوداؤد، کتاب الأدب، باب ما یقال عند الغضب: 4782- مسند أحمد: 5/152)

"جب تم میں سے کسی شخص کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو اسے بیٹھ جانا چاہیے، سو اگر اس سے غصہ چلا جائے تو (ٹھیک ہے) اور اگر پھر بھی ختم نہ ہو تو لیٹ جائے۔"

یہاں نبی ﷺ نے غصہ دُور کرنے کا ایک شاندار نسخہ بتلایا ہے۔

ماہرینِ نفسیات کے مطابق بھی اگر غصے کے دوران انسان کی حالت (Position) تبدیل کر دی جائے تو غصے کے باعث اس کے خون کی گردش میں جو تیزی آئی ہوتی ہے اس میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور یوں جذبات قابو میں آجاتے ہیں اور غصہ ختم ہو جاتا ہے۔

اس لیے جب بھی انسان کو غصہ آئے اگر وہ کھڑا ہو تو اسے فوراً بیٹھ جانا چاہیے اور اگر بیٹھا ہو تو لیٹ جانا چاہیے تاکہ وہ ان جذبات سے مغلوب ہونے کی بجائے انہیں ختم کر سکے۔

سیدنا سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے سخت غصے والے شخص کے بابت روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ الْغَضَبُ: أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ.»

(صحيح بخاری، كتاب بدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده: 3282- صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب فضل من يملك نفسه عند الغضب وبأي شيء يذهب الغضب: 2610)

"میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر وہ اسے (غصے کے وقت) پڑھ لے گا تو اس کا غصہ جاتا رہے گا، (وہ کلمہ یہ ہے:) أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ "میں شیطان مردود سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔"

یہ بھی غصہ ختم کرنے کا نہایت مؤثر علاج ہے، کیونکہ غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور اعوذ باللہ پڑھنے سے شیطان بھاگ جاتا ہے تو غصہ بھی جاتا رہتا ہے۔

سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا جَرَعَ عَبْدٌ جَرْعَةً أَعْظَمُ أَجْرًا مِنْ جَرْعَةِ غَيْظٍ كَظَمَهَا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ.»

(سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب الحلم: 4189)

"کوئی بھی گھونٹ بندہ ایسا نہیں پیتا کہ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں رضائے الٰہی کی خاطر غصے کا گھونٹ پینے سے بڑھ کر اجر وثواب کا حامل ہو۔"

مراد یہ ہے کہ رضائے الٰہی کی خاطر غصہ پی جانا اور کسی پر اس کا نفاذ نہ کرنا اجر وثواب کے لحاظ سے سب سے عظیم عمل ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَقَالَ مُسْلِمًا عَثْرَتَهُ أَقَالَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

(سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في فضل الإقالة: 3460- سنن ابن ماجه، كتاب التجارات، باب الإقالة: 2199)

"جو کسی مسلمان کا سودا واپس کر لے، اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس کے گناہ معاف فرمادے گا۔"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَقِيلُوا ذَوِي الْهَيْئَاتِ عَثَرَاتِهِمْ، مَا لَمْ يَكُنْ حَدًّا.»

(سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في الحد يشفع فيه: 4375- مسند أحمد: 181/6-سلسلة الأحاديث الصحيحة: 638)

"عزّت دار لوگوں کی لغزشیں معاف کر دیا کرو، جب تک کہ وہ کسی قابلِ حد جرم تک نہ پہنچیں۔"

یعنی اگر کسی معزز شخص سے کوئی خطا ولغزش ہو جائے تو اس سے در گزر کر دینا اور انتقام نہ لینا ہی افضل ہے، کیونکہ حقیقت میں وہ ایسا نہیں ہوتا کہ کسی کو نقصان پہنچائے یا کسی کی دِل آزاری کا باعث بنے بلکہ غیر ارادی طور پر شیطان کے بہکاوے میں آ کر ایسا کر بیٹھتا ہے۔

حِلم وبردباری اور محبت وچاہت

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اشج بن عبدالقیس سے فرمایا:

«إِنَّ فِيكَ خَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللهُ وَرَسُولُهُ: الْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ.»

(صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الأمر بالإيمان بالله ورسوله، وشرائع الدين، والدعاء إليه: 18)

"تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول پسند فرماتے ہیں: بردباری اور وقار۔"

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ اس حدیث کو مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ

«التُّؤْدَةُ فِي كُلِّ شَيْءٍ، إِلَّا فِي عَمَلِ الْآخِرَةِ.»

(سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في الرفق: 4810- سلسلة الأحاديث الصحيحة: 1794)

"آخرت کے کام کے سوا کسی بھی کام میں جلدبازی نہیں کرنی چاہیے۔"

☆☆☆

علم ایک نور ہے اسے گناہوں سے مت بجھاؤ

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ گناہوں کے قبیح آثار بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "انہیں میں سے ایک اثر علم سے محرومی ہے، اس لئے کہ علم ایک نور ہے جسے اللہ بندے کے قلب میں ڈال دیتا ہے، اور معصیت اس نور کو بجھا دیتی ہے۔"

جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے زانوئے تلمذ تے کرتے ہیں اور پڑھنا شروع کرتے ہیں، تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ان کی ذہانت وفطانت، بیدار مغزی اور کمال فہم کو دیکھ کر تعجب میں پڑ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں، میں دیکھ رہا ہوں کہ اللہ نے تمہارے دل میں ایک نور ڈال دیا ہے تو تم اسے گناہوں کی تاریکی سے مت بجھانا۔" (الداء والدواء ص 56)
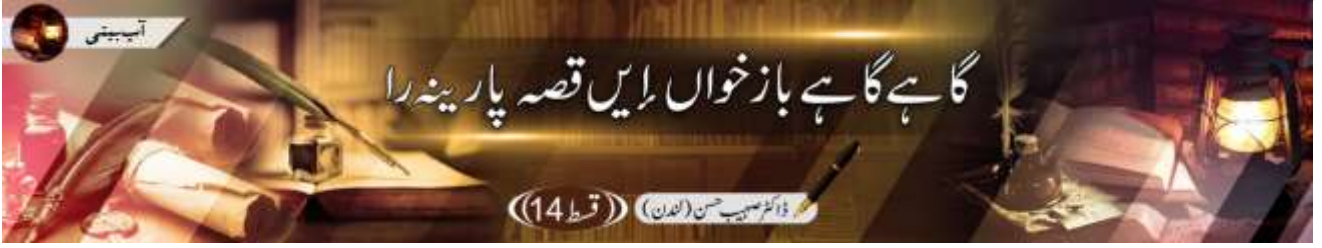
مظفر آباد (آزاد کشمیر) کا ایک سفر (1994ء)

ایک عرصہ سے آزاد کشمیر جانے کی خواہش تھی، اس دفعہ یہ خواہش پوری ہوگئی۔ والد محترم کے طلبہ میں ایک عراقی نوجوان عبد اللہ کہلان تھے جو اکثر شام کے اوقات میں تشریف لاتے اور حدیث کا درس لیتے، ان سے ایک قربت سی پیدا ہوگئی۔ وہ خود انجینئر ہیں اور یہاں ایک رفاہی ادارے کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ ان کی پک اپ میں سفر کا عزم کیا۔ رفقاء سفر میں میرے برادر خورد راغب، جدہ سے ایک مہمان اور کوئٹہ میں متعین ایک مصری ڈاکٹر شامل تھے۔

صبح سات بجے ہمارا قافلہ مری کی طرف روانہ ہوا، جہاں ناشتہ کرنے کے بعد کوہالہ پل پر ہم نے دریائے جہلم کو عبور کیا کہ جہاں سے آزاد کشمیر کی حدود کا آغاز ہوتا ہے۔ پہلی چوکی پر پولیس نے ہمارے ساتھ چند غیر ملکیوں کو دیکھ کر آئیں بائیں شائیں کی لیکن تسلی کر لینے کے بعد ہمیں جانے دیا۔ راستہ بڑا کٹا پھٹا ہے۔ کہیں بہت تنگ، کہیں بالکل پہاڑ کی آغوش میں، مظفر آباد دریائے نیلم اور دریائے جہلم کا سنگم ہے۔

ہم اس مکتب میں پہنچے جسے عبد اللہ عزام نے قائم کیا تھا۔ تونس کے برادر طارق نے ہمارا استقبال کیا، وہ میرے دونوں بھائیوں راغب اور احمد سے اچھا تعارف رکھتے تھے، پھر ہم جماعت تنویر الاسلام کے قائم کردہ مجاہدین کے مرکز پہنچے اور وہاں کچھ دیر قیام کے بعد مظفر آباد کی مشہور علمی شخصیت مولانا محمد یونس اثری سے ملاقات کے لیے ان کے دولت خانہ پہنچے۔ انہوں نے اپنی درسی وتدریسی زندگی کے بارے میں بات چیت کی اور پھر مولانا اور ان کے صاحبزادے کے ساتھ تحریک مجاہدین کے سربراہ ابوعبیدہ اور ان کے دو مساعدین سے ملاقات کی۔ مولانا نے اپنے قائم کردہ دار العلوم جامعہ محمدیہ کی زیارت کروائی، وہاں مولانا مظفر حسین ندوی سے بھی ملاقات ہوئی۔

نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد ہم نے طارق تونسی کے مکتب کی راہ لی۔ مکتب کے عقب میں مدرسہ کو دیکھا جو اس وقت اندھیرے کی اوٹ میں تھا۔ تینوں اداروں کو حسب توفیق کچھ مالی اعانت دینے کا شرف حاصل ہوا۔ رات کافی ہو چکی تھی، طارق نے مکتب سے متصل ایک کمرے کی راہ دکھائی، جس میں ہمارے بستروں کا انتظام کیا گیا تھا۔

ایک لطیفہ: کوئی آدھی رات کا عمل ہوگا کہ پیٹ میں شدید مروڑ کی بنا پر بیت الخلاء جانے کی حاجت محسوس ہوئی۔ بجلی نہ ہونے کی بنا پر بستروں کو ٹٹولتا ٹٹولتا دروازے تک پہنچا کہ جس سے ملحق برآمدے میں چوکیدار اپنے بستر پر دراز تھا، پوچھا کہ بیت الخلا کہاں ہے تو اس نے بتایا کہ باہر کمرے کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے عقب میں جاؤ، جہاں اپنی منزل مقصود کو پالو گے، باہر شدید بارش ہو رہی تھی، گھپ اندھیرا تھا، چنانچہ میں اس عالم میں بیت الخلاء پہنچا کہ مجھے پاؤں کی حرکت سے بیت الخلاء کے پائیدان کو تلاش کرنے کے بعد وہاں فراغت نصیب ہوئی اور پھر دوبارہ دیوار کے ساتھ ساتھ راستہ ٹٹولتے ہوئے میں اپنے کمرہ تک پہنچا۔

صبح ناشتہ پر میں نے طارق کو رات کا واقعہ سنایا تو وہ ہنستے ہنستے بے حال ہوگیا۔ وہ مجھے کمرے میں واپس لے آیا اور بتایا کہ کمرے کے ساتھ تو بیت الخلاء ہے کہ جس کا دروازہ کمرے ہی میں سے کھلتا ہے، غالباً یہ بات چوکیدار کے علم میں نہ تھی وگرنہ وہ مجھے باہر کی راہ نہ دکھاتا۔

اگلا دن براہ مانسہرہ واپسی کا تھا۔

آسمان پورے زور وشور سے برس رہا تھا، یہ راستہ بھی شاہراہ مظفر آباد کی یاد دلا رہا تھا۔ ایک طرف اونچے اونچے سرسبز وشاداب پہاڑ، اتنے اونچے کہ بادل ہمیں چھوتے گذر رہے تھے اور دوسری طرف گہری وادی جس میں دریائے کنہار کا پانی پتھروں سے ٹکراتا، دونوں کناروں کو کاٹتا چھانٹتا، بڑے زور وشور سے رواں دواں تھا۔ وادی کی طرف کا کنارہ کسی رکاوٹی دیوار کے یا منڈیر سے محروم تھا۔ یہ ڈرائیور کی مہارت اور بصارت پر منحصر تھا کہ وہ معتدل رفتار سے چلتا رہے، آنے والی ٹریفک سے محتاط رہے اور پہلو سے جڑے پہاڑ کی پتھریلی بوچھاڑ یعنی (Land Sliding) سے ہمہ وقت ہوشیار رہے۔

ہم گڑھی حبیب اللہ سے ہوتے ہوئے بالاکوٹ کی طرف گامزن تھے۔ گویا چڑھائی سے نشیب کی طرف آرہے تھے اور پھر اتنا نیچے آگئے کہ بعض جگہوں پر دریا کے کنارے کا پانی ہماری گاڑی کے ٹائروں کی قدم بوسی کرتا نظر آرہا تھا۔ ہمارے مصری مہمان کو یہ ادا بالکل پسند نہ آئی، وہ باآواز بلند احتجاجی نعرے بلند کر رہے تھے لیکن ہمارے مہربان ڈرائیور آگے بڑھتے گئے۔

بالاکوٹ سید احمد شہید اور سید اسماعیل شہید کے آخری معرکہ کی یاد گار ہے۔

6 مئی 1831ء میں سکھوں سے جہاد کرتے ہوئے یہ دونوں بطل اسلام شہادت سے سرفراز ہوئے۔ سید اسماعیل شہید کی قبر تو معروف ہے لیکن سید احمد شہید کا مزار کہیں ہٹ کر ہے، ہندوپاک کی روایات کے زیر اثر قبرستانوں میں پکی قبروں کا چلن ہے۔ ہم قبرستان میں مسنون دعا کے لیے حاضر ہوئے تھے، ہمارے سعودی ہمسفر گاڑی سے تو اتر آئے لیکن قبرستان میں داخل ہونے کے لیے آمادہ نہیں ہوئے۔ سید احمد شہید کی قبر پر کتبہ ہے جس میں اس معرکے کی تاریخ ثبت کی گئی ہے۔ ایک روایت کے مطابق یہاں صرف ان کا سر مدفون ہے، باقی جسم گڑھی حبیب اللہ میں دفن ہے۔

ہم مانسہرہ ہوتے ہوئے ایبٹ آباد پہنچے، یہ شہر انگریزوں کی حکومت کے دوران کسی میجر ایبٹ کے نام پر آباد کیا گیا تھا جو اپنی جود وسخا کی بنا پر مقامی لوگوں کی آنکھوں کا تارا بنا رہا اور پھر اپنا نام اس شہر کو بخشتا چلا گیا۔

یہ تین شہر تین مذاہب کی نمائندگی کرتے ہیں، گڑھی حبیب اللہ ایک مسلم نواب کے ، مانسہرہ ایک سکھ سردار کے اور ایبٹ آباد ایک عیسائی میجر کے نام سے منسوب ہے۔ ہم ظہر تک اسلام آباد میں داخل ہو چکے تھے اور یوں یہ مختصر لیکن پُر مشقت اور مسحور کن سفر اپنے اختتام کو پہنچا۔ آزاد کشمیر دو دفعہ پھر آنے کا بھی اتفاق ہوا۔ اگر میری ڈائری نے میرا ساتھ دیا تو باقی دو زیارتوں کے بارے میں بھی کچھ عرض کرتا چلوں گا لیکن پہلے کچھ آزاد کشمیر کے حدود اربعہ اور تاریخ کا بیان ہو جائے۔

جموں کشمیر کا کل رقبہ تقریباً 88 ہزار مربع میل پر مشتمل ہے اور 1947ء میں تقسیم ہند کے بعد صرف 5134 مربع میل کا رقبہ پاکستان کے ہاتھ آیا۔

جموں کشمیر کا نقشہ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھیں، چاند کا ایک ٹکڑا نظر آئے گا۔ جنوب میں پنجاب سے متصل کوٹلی اور میرپور سے شروع ہو کر باغ، مظفر آباد ہوتا ہوا 250 میل کی لمبائی میں پھیلا ہوا کشمیر کا یہ جنت نظیر حصہ شمال میں نیلم وادی پر جا کر ہمالیاتی پہاڑوں کے سلسلہ سے جاملتا ہے۔

اور اتنا حصہ بھی تقسیم کے فوراً بعد پاکستان کے سرحدی علاقوں اور کچھ ریٹائرڈ فوجی جوانوں کی جہادی سرگرمیوں کی بنا پر آزاد ہو سکا۔ وہ تو بارہ مولا یعنی سرینگر کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے لیکن پھر پاکستان کے پہلے انگریز کمانڈر انچیف کی مداخلت یا مداہنت کی بنا پر مزید پیش قدمی سے روک دیئے گئے اور یوں جس حد تک وہ پہنچ پائے تھے وہی بعد میں لائن آف کنٹرول (LOC) قرار پائی اور اس کے بعد وادی کشمیر پر قبضہ ایک خواب بن کر رہ گیا۔ بلکہ 24 اکتوبر 1947ء کو جتنا علاقہ آزاد کرایا گیا تھا، اس کی حفاظت پاکستان کے لیے ایک فرض قرار پایا۔ اللہ بھلا کرے گلگت اور بلتستان ایجنسی کا جو زمینی اعتبار سے تو کشمیر کی سرحدوں کو چھوتی ہے لیکن لسانی اور ثقافتی اعتبار سے اپنی الگ شناخت رکھتی ہے۔ اس کا اپنا رقبہ بھی تقریباً 28 ہزار مربع میل پر پھیلا ہوا ہے کہ یہ علاقہ پاکستان کے ساتھ منسلک رہا اور یوں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مقبوضہ کشمیر کے مقابلے میں پاکستان سے ملحق آزاد کشمیر ایک تہائی رقبے پر پھیلا ہوا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ وادی نیلم آزاد کشمیر کے خوبصورت ترین مقامات میں سے ہے، اٹھمقام اس کا صدر مقام ہے، یہاں بلند وبالا پہاڑ ہیں جن کی قد و قامت کہیں پندرہ ہزار اور کہیں انیس ہزار فٹ تک جا پہنچتی ہے۔ تقسیم سے پہلے 90 میل پر پھیلی ہوئی یہ وادی کشن گنگا کہلاتی تھی اور بعد میں دریائے نیلم کے نام پر وادی نیلم سے معروف ہوئی۔

ایک خوش آئند بات یہ ہے کہ آزاد کشمیر میں پاکستان کی بہ نسبت شرح خواندگی زیادہ ہے، آبادی کے تناسب سے 74 فیصد کے لگ بھگ ہے اور اس کی علامت ہے کہ یہاں اسکولوں میں جانے والے طلبہ وطالبات کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

برطانیہ میں میرپور، کوٹلی اور آزاد کشمیر کے دوسرے خطوں سے آنے والے افراد مہاجرین کے ہر اول دستے کی حیثیت رکھتے ہیں، یہ ہجرت اس زمانے کی معاشی تنگدستی اور رزق کی جستجو کا عنوان تھی اور پھر صدر ایوب کے عہد میں منگلا ڈیم کی تعمیر کے بعد لوگوں کی کثیر تعداد میں نقل مکانی کے باعث دوچند ہوتی گئی۔

جن لوگوں کو سرگودھا اور اس کے نواح میں بطور عوض زمینیں عطا کی گئی تھیں، وہ وہاں جا بسے اور ان میں سے کچھ لوگ برطانیہ میں اپنے لواحقین تک پہنچنے میں بھی کامیاب رہے اور پھر یہاں برسوں کارخانوں، صنعتی اداروں یا اپنی ذاتی دکانوں میں اپنی عمریں کھپا کر وہ اس قابل ہوئے کہ اپنی جائے ہجرت میں جائیداد کے حصول کے ساتھ ساتھ میرپور اور اس کے مضافات میں اپنی خوبصورت اور وسیع کوٹھیاں اور وہاں کے بازاروں میں انگریزی طرز پر سجی سجائی پررونق دکانوں کے جھرمٹ (یعنی Mall) وجود میں لا سکیں۔

ریٹائرمنٹ کے بعد عمر کے آخری حصے کو باعزت اور پُرسکون گذارنے کے لیے اکثر مہاجرین برطانیہ کی کوششیں بار آور نظر آتی ہیں اور یہی حال دنیا و آخرت کا بھی ہے۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو جہاں بھی رہے، اپنی آخرت کے لیے زاد راہ بناتے گئے، ریٹائرمنٹ کے ایام کے لیے نہیں بلکہ اس لازوال زندگی کے لیے جو اللہ سے ملاقات کے بعد حاصل ہو گی۔ ایسے ہی نفوس قدسیہ میں جنہوں نے برطانیہ میں اپنی آمد کے بعد

اپنے اپنے علاقوں میں اللہ کے گھر آباد کیے، ان کی دیواریں، چھتیں، مینار اور گنبد بنانے کے ساتھ ساتھ اپنے قیام، رکوع اور سجود سے بھی انہیں آباد رکھا۔

مظفر آباد دو دفعہ مزید جانے کا موقع ملا۔

اپریل 1995ء میں پانچ افراد بشمول برادر راغب حسن ہمارا قافلہ پہلے مانسہرہ پہنچا۔ ہری پور ہزارہ میں ایک عرب NGO کا قائم کردہ ادارہ 'دار حراء' دیکھا۔ افغانی یتیم طلبہ اور طالبات کی تعلیم اور ان کی رہائش کا اعلیٰ پیمانے پر بندوبست کیا گیا تھا۔ میرے چھوٹے بھائی ڈاکٹر خبیب حسن ان کی صحت اور جسمانی دیکھ بھال کے انچارج تھے اور ان کے توسط سے اس عظیم درسگاہ کے درودیوار دیکھنے کی سعادت بھی حاصل ہو گئی۔

مظفر آباد پہنچے جہاں چند مراکز کا دورہ کیا۔ اگلی صبح بعد از نماز فجر ایک جگہ مختصر درس دینے کا موقع بھی ملا۔ ہمارا یہ ایک دن کا دورہ اسی راستے سے مکمل ہوا جس راستے سے ہم آئے تھے۔

اور پھر اپریل 1997ء میں انٹرنیشنل کشمیر ویلفیئر کونسل کے صدر حسین احمد اصلاحی کی دعوت پر مظفر آباد کے ساتھ ساتھ 'باغ' شہر جانے کا بھی اتفاق ہوا۔ جدہ سے میرے بڑے بھائی شعیب حسن بھی ہمراہ تھے۔ اس دفعہ بجائے زمینی سفر کے ہوائی سفر رہا۔ پی آئی اے کا ایک چھوٹا جہاز راولاکوٹ ہوتا ہوا ہمیں مظفر آباد ائیر پورٹ لے آیا۔

یہ پرواز اس لیے بھی دلچسپی کا باعث رہی کہ جہاز کی کھڑکی سے آزاد کشمیر کے سرسبز وشاداب پہاڑ، وادیوں میں بہتے دریا، ٹیلوں، کہساروں پر لکڑی کے خوشنما گھر اس سرزمین کی خوبصورتی کو دوبالا کر رہے تھے اور پھر جہاز کے کپتان کی مہارت کی داد دیئے بغیر بات نہیں بنتی کہ اترتے چڑھتے وقت پہاڑوں کے درمیان میں سے جہاز کو بسلامت گذارنے کے عمل کو کامیاب بنایا اور دھڑکتے دلوں کو اطمینان اور یکسوئی حاصل ہونے میں مددگار ثابت ہوا۔ اور یہ سب کچھ اللہ کی توفیق اور اعانت ہی کا مرہون منت ہے۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللهِ

ایئرپورٹ پر ہمارے میزبان چشم براہ تھے جو ہمیں 'باغ' لے جانے کے لیے بے تاب تھے۔ باغ تک کا زمینی سفر انہی پہاڑی گزرگاہوں کا نمونہ تھا جو ہم اپنے پچھلے اسفار میں دیکھ چکے تھے۔ باغ سے پانچ میل کے فاصلے پر ایک مہاجر کیمپ میں لوگ ہمارے منتظر تھے۔

یہاں مسلم ایڈ برطانیہ کی طرف سے خواتین میں سلائی مشینیں اور طلبہ وطالبات میں اسکول بیگ تقسیم کیے گئے جو تمام تعلیمی ضروریات سے بھرپور ہونے کی بنا پر 'اسکول کٹ' کے نام سے یاد کیے گئے۔

مظفر آباد میں کشمیر پیپرماشی آرٹ سنٹر کی افتتاحی تقریب میں شرکت کی، کہا جاتا ہے کہ مقبوضہ کشمیر میں یہ صنعت شاہ ہمدان نے روشناس کرائی تھی اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، کاغذ اور گتے کی مدد سے گھریلو اشیاء انتہائی نفاست اور عمدگی سے بنائی جاتی ہیں جو سیاحوں کے لیے باعث کشش اور ان کے کاریگروں کے لیے باعث رزق بنتی ہیں۔

یہاں اس سنٹر کے علاوہ چار چنار سلائی سنٹر اور چار چنار گبہ سنٹر بھی قائم کیے گئے ہیں۔ اول الذکر مرکز میں چالیس طالبات ٹریننگ لے رہی ہیں۔

ہماری اس وزٹ میں سید مظفر حسین ندوی، ریٹائرڈ ڈائریکٹر دینی امور حکومت آزاد کشمیر بھی ہمراہ تھے۔ اصلاحی صاحب نے کونسل کی طرف سے تعمیر کردہ مسجد شہداء کا بھی دیدار کرایا، پھر مظفر آباد ریڈیو اسٹیشن لے گئے جہاں ایک مختصر بیان بھی ریکارڈ کروایا۔

آزاد کشمیر کا یہ دورہ مسلم ایڈ برطانیہ کے ویلفیئر کاموں کا ایک حصہ تھا اور اللہ سے امید کرتا ہوں کہ میری ان حقیر کاوشوں کو شرف قبولیت سے نوازیں۔ وما ذلك على الله بعزيز

☆☆☆

علامہ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"سلف صالحین ایک دوسرے کو 3 باتوں کی وصیت کیا کرتے تھے۔

اگر یہ باتیں ہمارے دلوں پر محفوظ ہو جائیں تو ہماری زندگی بدل سکتی ہے۔

وہ تین باتیں یہ ہیں:

جس نے اپنے باطن کی اصلاح کی اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کی اصلاح فرما دے گا۔

جس اپنے اور اللہ کے درمیان معاملات ٹھیک رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کے اور بندوں کے معاملات ٹھیک کر دے گا۔

جس نے اپنی آخرت بنانے پر توجہ دی، تو اللہ تعالیٰ اس کی دنیا بھی درست کر دے گا۔

(الرسالۃ التبوکیہ: ص92)

☆☆☆

جلیل القدر عالم امام ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا:

"اگر آپ سے کہا جائے کہ آج آپ کی عمر کا آخری دن ہے تو آپ اس دن کیا کریں گے۔

فرمایا:

"اس دن بھی میں لوگوں کو علم سکھاؤں گا۔"

(رواہ البیہقی فی المدخل: 2/45)

☆☆☆

داؤد محل کاوزٹ اور قبر داؤد علیہ السلام

فلسطینی گائیڈ کی رہنمائی میں ہم قدیم قدس کے علاقہ میں سیدنا داؤد علیہ السلام کا قدیم محل دیکھنے گئے۔ داؤدی محلہ نئے پتھروں سے بنی ہوئی عمارتوں کا علاقہ ہے مقامی لوگ بتارہے تھے کہ یہ مراکشی محلہ تھا جسے یہودیوں نے مسمار کرکے نئے مکان بناکر یہودیوں کو آباد کردیا ہے۔ مرکزی راستے سے داخل ہوں تو گیٹ پر گولیوں کے نشانات نظر آتے ہیں۔ جو یہودیوں کے مسلمانوں پر مظالم کی نشاندھی کرتے ہیں۔ داؤد محل کا احاطہ بہت وسیع ہے۔ اس سے آگے ایک عمارت ہے، اس کے متعلق مشہور ہے کہ یہی سیدنا داؤد علیہ السلام کا محراب تھا جہاں وہ آیات الٰہیہ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ یہیں پر مشہور مقدمہ لیے دو شخص دیوار پھلانگ کر داخل ہوئے تھے جس کا سورہ ص آیت 21 میں ذکر ہے۔ اس کے عقب میں سیدنا داؤد علیہ السلام کی قبر بتائی جاتی ہے۔

یہاں زیارت کے آداب ہیں کہ

مرد ہوں یا خواتین، سر ڈھانپ کر داخل ہوں گے۔ اختلاط نہیں بلکہ مرد علیحدہ اور عورتیں علیحدہ۔ احاطہ میں فوٹوگرافی، تصویر کشی منع ہے۔ اندر داخل ہوں تو مکمل خاموشی کے ساتھ وغیرہ۔ وہاں پہنچ کر تمام زائرین میں کچھ دیر کے لیے شرافت آجاتی ہے۔ ہم اندر داخل ہوئے تو قبر سے متصل حجرہ میں یہودی لوگ بیٹھے کتاب مقدس کی تلاوت کررہے تھے۔ اس کے اندر دوسرا کمرہ ہے، اس میں قبر ہے، اس کے ساتھ ایک مذہبی یہودی باآواز بلند تلاوت کررہا تھا اور ہر تھوڑی دیر بعد زور سے تالی بجاتا اور دیوانہ وار قبر کو بوسے دینے لگتا۔ قرآن مجید کی سورہ الانفال کی آیت 35 کا مفہوم سمجھنے کی یہ اور دیوار گریہ بہترین جگہیں ہیں۔ وہ جگہ بھی دیکھی جس کا ذکر سورہ الصاد میں ہے۔

اس سے آگے جائیں تو ان کی قبر کا سائن ہے جہاں داخلے کے آداب بڑے سخت ہیں۔ کوئی عورت بغیر سکارف اور ننگی ٹانگوں کیساتھ داخل نہیں ہوسکتی وہاں ایک یہودی ربائی کھڑا اسروس میں مشغول تھا اور لوگوں کو آنے جانے کے آداب بتاتا تھا۔ ایک چھ فٹ پلیٹ فارم پر ان کی قبر رکھی ہوئی ہے اس کے اوپر چھ کونوں والا ڈیوڈ سٹار اور اسرائیلی پرچم لپٹا ہوا ہے۔

دنیائے مذہب پر اسلام کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے سیدنا داؤد علیہ السلام کو ایک برگزیدہ نبی کے طور پر پیش کیا؟ ورنہ ان یہود نے تو انہیں ایک (نعوذ باللہ) ایک عام سازشی بادشاہ کے طور پر پیش کیا تھا۔ جو ایک عورت کو حاصل کرنے کی خاطر اس کے خاوند کو مروا دیتا ہے نعوذ باللہ۔

یہی حال دیگر انبیاء کے ساتھ اس مغضوب علیہ قوم نے کیا۔ سیدنا زکریا علیہ السلام کو کاہن بنا کر پیش کیا۔ داؤد محل کے باہر ان ظالموں نے سیدنا داؤد علیہ السلام کا بلیک مجسمہ بھی بنایا ہوا ہے۔ میں نے تو احتراماً تصویر نہیں بنائی جبکہ شیخ مودی نے اپنی تصویر بھی اس بلیک مجسمّے کے ساتھ بنوائی تھی۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے ان کا رویہ نہایت ہی سنگدلانہ تھا واپسی پر وہ جگہ بھی دیکھی جہاں بزعم نصاریٰ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آخری رات کا کھانا تناول فرمایا تھا۔

دیوار براق یا دیوار گریہ کا وزٹ

مسجد اقصیٰ کی زیارت کے ضمن میں ایک اور جگہ کا ذکر کرنا بہت ضروری ہے، وہ بیت المقدس کے مغربی جانب تقریباً 2411 سال پرانی ایک 488 میٹر لمبی اور 19 میٹر اونچی دیوار ہے۔ یہودیوں کے نزدیک یہ دیوار عظمت رفتہ کی یادگار سمجھی جاتی ہے اور بیت المقدس میں یہی ایک دیوار ہے جس کے بہانے سے وہ مسجد اقصیٰ پر قبضہ جمانا چاہتے ہیں اس کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی بہانہ نہیں جس کو بنیاد بنا کر وہ مسجد اقصیٰ پر اپنا حق جتا سکیں اور ظالموں نے اسی ایک دیوار پر قبضے کا بہانہ بنا کر پورے فلسطین میں ظلم وستم اور قتل وغارت کا بازار گرم کیا ہوا ہے اور تمام انسانی حقوق اور انسانیت کو پائمال کیے جارہے ہیں۔ اس دیوار کی ایک جانب کو دیوار گریہ اور دوسری جانب کو دیوار براق کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ مسلمان جسے دیوار براق کہتے ہیں اسی کی دوسری جانب کو یہودی دیوار گریہ کہتے ہیں۔ اس دیوار گریہ تک جانے کے لیے قدیم بازار سے گزرتے ہوئے پتھریلی ناہموار زمین کا طویل راستہ طے کرنا پڑتا ہے۔ اس دیوار تک جانے کے لیے ایک تفتیشی گیٹ بنایا گیا ہے جہاں اسرائیلی سیکورٹی گارڈ متعین ہوتے ہیں۔ یہودیوں کو عموماً بلا روک ٹوک اندر جانے کی اجازت ہے۔ باقی زائرین کا داخلہ گارڈز کی صوابدید پر ہوتا ہے۔ ہمارے پاس وقت کافی محدود تھا۔

ابھی ہم نے داؤد محل سمیت کئی جگہوں کا وزٹ کرنا تھا اس لیے ہم نے دیوار گریہ تک جانے کا ارادہ ملتوی کردیا کیونکہ اس دیوار کا اندرونی حصہ دیوار براق ہم اچھی طرح دیکھ بھی چکے تھے بلکہ مسجد براق میں کافی

دیر بیٹھنے کی سعادت ہمیں حاصل ہو چکی تھی۔ اس لیے دیوار گریہ کے قریب جانے کا کچھ زیادہ شوق بھی نہ تھا۔ داخلہ گیٹ کے تھوڑا سا آگے ایک بالکونی نظر آئی، ہم سب وہاں پہنچ گئے اور اس بالکونی سے ہم نے دیوار گریہ کا اچھی طرح نظارہ کر لیا، یہ شاید اچھا ہی ہوا کیونکہ نسبتاً یہیں سے سارے علاقہ کا مشاہدہ بہتر انداز میں کیا جا سکتا ہے۔ اس بالکونی سے اوپر ایک جگہ گنبد کا بڑا نکلس رکھا ہے اس پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے کہ "اگر ہیکل سلیمانی کی تعمیر دوبارہ کی گئی تو اس کے گنبد پر یہ نیکلس رکھا جائے گا۔" لا قدر اللہ لکم... ان شاء اللہ

1967 کی جنگ کے بعد یہ یہ علاقہ اسرائیل کے قبضے میں چلا گیا اس کے چند ہی دنوں بعد اسرائیلی حکام نے مراکشی محلہ کے انہدام کا حکم دے دیا اور وہاں مقیم لوگوں کو زبردستی نکال باہر کیا تاکہ یہودیوں کو دیوار گریہ تک رسائی کی سہولت فراہم کی جا سکے۔

دیوار گریہ کا محل وقوع

اب ہم قارئین کو اس دیوار کا مکمل تعارف کرواتے ہیں۔ اور یہود کے اس دعوے کا جائزہ بھی لیتے ہیں کہ کیا یہ دیوار واقعی مزعومہ ہیکل سلیمانی کا حصہ ہے جسے آج سے تقریباً 3009 سال پہلے تعمیر کیا گیا تھا۔ یا وہ ہیکل سلیمانی مکمل طور پر تباہ و برباد کیا جا چکا ہے؟ اور یہ دیوار 600 سو سال بعد ہیڈریان کے دور میں تعمیر کی گئی ہے۔ اس کے لیے ہمیں تاریخ کا نقلی و عقلی جائزہ لینا ہوگا۔

قدیم یروشلم (old city) میں ایک محلے کا نام ہے مراکشی محلہ جسے انگریزی میں مراکون کوارٹرز، اردو میں مراکشی یا مغربی محلہ اور عربی میں "حارۃ المغاربہ" کہا جاتا ہے۔ باب مغاربہ کے جنوب مشرق اور القدس الشریف کے جنوب مغرب میں واقع یہ دیوار ہے جس کے دروازے سے گزر کر خاتم النّبیین سیدنا محمدe معراج پر تشریف لے گئے تھے۔ اسی لیے اسے دیوار براق کہا جاتا ہے اور 70 عیسوی میں رومی جنرل طیطوس نے ہیکل مقدس کو تباہ کر دیا تھا تو اس کی دست برد سے صرف دیوار کا یہی حصہ بچ سکا تھا۔ یہودی اسے اپنے دور عظمت کی بچی ہوئی نشانی سمجھ کر مقدس جانتے اور یہاں آکر گریہ وزاری کرتے ہیں اسی لیے اسے دیوار گریہ کہتے ہیں۔

عربی میں اس دیوار کو حائط المبکی اور انگریزی میں Weeping wall کہا جاتا ہے۔ اس کے جنوب میں باب مغاربہ اور مغرب میں یہودی محلہ واقع تھا۔ یہ مسلم محلہ کی توسیع تھی جسے صلاح الدین ایوبی کے بیٹے نے بارہویں صدی میں بنوایا تھا۔

1967 کی جنگ کے بعد یہودی قبضے میں آتے ہی اسرائیلی حکومت نے مراکشی محلہ کو منہدم کر دیا اور یہاں کے باشندوں کو نقل مکانی پر مجبور کر دیا اور جن کو یہاں سے نکلنے کا موقع نہیں ملا انہیں یہیں شہید کر دیا گیا اور یورپ و روس میں پھیلے ہوئے یہودیوں کو زبردستی یہاں آباد کیا گیا۔

یہود کا خیال ہے کہ یہ دیوار سیدنا داؤد علیہ السلام اور سیدنا سلیمان علیہ السلام کے تعمیر کردہ ہیکل مقدس کا بقایا ہے۔ لیکن تاریخ یہ بتاتی ہے کہ

اسے سیدنا داؤد علیہ السلام اور سیدنا سلیمان علیہ السلام نے نہیں بنایا بلکہ ایرانی بادشاہ سائیرس اعظم (539 قبل مسیح) کے دور میں یہاں عبادتگاہ کو دوبارہ تعمیر کیا گیا تھا اور اس کا نام ہیکل سلیمانی نہیں بلکہ " بیت ایلیا" رکھا گیا تھا۔ جسے اس کی تعمیر کے تقریباً 600 (چھ سو) سال بعد رومی جرنیل طیطوس نے 70ء میں شہر یروشلم اور وہاں بننے والی بیت ایلیا" نامی عبادتگاہ کو... دونوں برباد کر دیے تھے۔ اس تباہی میں صرف دیوار کا یہ حصہ باقی بچا تھا۔

آیئے اس امر کا جائزہ لیتے ہیں کہ کیا واقعی یہاں کوئی ہیکل سلیمانی تھا جو مسجد اقصی کے نیچے دفن کیا گیا ہے اور جس کی تلاش کے نام سے یہودیوں نے آفت مچائی ہوئی ہے۔ اور مسجد اقصیٰ پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے اور اسے منہدم کر کے نیچے سے مزعومہ "ہیکل سلیمانی" برآمد کرنا چاہتے ہیں۔ جس کا سرے سے کوئی وجود تھا ہی نہیں۔ اور اس دیوار کو اس کا حصہ کہتے ہیں؟

بنی اسرائیل کی ایک تاریخ تو دنیا کی سب سے مستند کتاب قرآن کریم نے بیان کی ہے جس کی بیان کردہ کسی بات کی دنیا بھر کے محققین تردید نہیں کر سکے۔ لیکن قرآن کریم کے علاوہ خود یہود کی مذہبی و تاریخی کتابوں میں بھی یہ حقیقت بکھری پڑی ہے کہ

یہ قوم دنیا کی سب سے سخت دل، ظالم سرشت، دشمنیاں پالنے والی، عفو و درگزر اور حلم و کرم سے محروم، قتل انبیاء و صالحین جیسے جرائم میں ملوث قوم ہے۔ یہ سیدنا یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہے۔ جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے سیدنا اسحق علیہ السلام کے بیٹے سیدنا یعقوب علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔

ان کے پہلے بڑے اور پہلے بیٹے اور ہمارے جد امجد سیدنا اسماعیل علیہ السلام اپنی پیدائش کے کچھ ہی عرصہ بعد بحکم الٰہی اپنے والد مکرم اور والدہ سیدہ ہاجرہ صلوات اللہ وسلامہ علیہا کی ہمراہی میں وادی حجاز میں آگئے تھے۔ یہیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے زمزم کا پانی فراہم کیا۔

اسی علاقے میں انہیں راہ للہ قربانی کے لیے پر خلوص پیشکش کی وجہ سے ذبح عظیم کا فدیہ ملا اور پھر اپنے والد مکرم کی معیت میں انہوں نے اللہ کی عبادت کے لیے خانہ کعبہ تعمیر کیا جسے روئے زمین پر عبادت خداوندی کے لیے سب سے پہلا گھر ہونے کا اعزاز ملا اور ٹھیک اس کے چالیس سال بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے اسحق علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے کوہ

صیہون پر دنیا کی دوسری عبادتگاہ مسجد اقصیٰ کی بنیاد رکھی۔

خانہ کعبہ کی وجہ سے مکہ مکرمہ شہر معرض وجود میں آیا اور مسجد اقصیٰ کی وجہ سے دنیا کا دوسرا بڑا شہر یروشلم آباد ہوا۔۔۔ یروشلم کا ایک معنیٰ اور بھی ہے بلکہ حقیقی معنیٰ ہے سرزمین اسلام۔۔۔

یہاں بھی یہودیوں نے تاریخ میں گڑبڑ کی۔ ایک تو ذبح ہونے کا اعزاز سیدنا اسماعیل کی بجائے سیدنا اسحٰق کے نام لگانے کی کوشش کی اور دوسرا جو اعزاز بیت اللہ میں نصب شدہ حجر اسود کو حاصل ہوا۔ وہی انہوں نے "صخرہ" کے نام کرنے کی کوشش کی بلکہ اس سے بھی زیادہ فضائل تراش لیے۔ جس کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہم پچھلے صفحات میں کر چکے ہیں۔

چند لمحے یہاں ٹھہریئے اور دونوں شہروں کے باسیوں کی فطرت پر غور کیجئے۔ باشندگان حجاز صالح فطرت تھے۔ مہمان نواز تھے اور وفا و حیا والے تھے، بات کے سچے اور قول کے پکے تھے۔ اس کے برعکس کوہ صیہون اور اس کے ارد گرد کے رہنے والے اکثر لوگ فطرتاً شرارتی، سنگدل، قاتل فطرت کے مالک، مہمان نواز تو درکنار مہمانوں کے ساتھ برا سلوک کرنے والے، خود غرض، بے وفا اور عدیم الحیاء تھے۔ اس لیے زیادہ عرصہ غلام رکھے گئے۔ لیکن جب بھی انہیں آسرا ملا انہوں نے ظلم و فساد کی اخیر کر دی۔ جب تک یہ غلام رہے فرعون کے قابو میں رہے جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے انہیں اس کی غلامی سے نجات دلائی اور انہیں آزادی کی لذت سے ہمکنار کیا تو انہوں نے اللہ کے نبی اور اپنے محسن سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی مذاق و استہزاء کرنے میں کچھ شرم محسوس نہیں کی۔

ان ناہنجاروں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو بہت تنگ کیا۔ جہاد سے جی چرایا اور احکام خداوندی کا کھلم کھلا مذاق اڑایا جس کی پاداش میں چالیس 40 سال کے لیے ان کا ارض مقدس میں داخلہ ممنوع کر دیا گیا۔ سورہ بقرہ انہی کی بداعمالیوں کے تذکرے سے بھری پڑی ہے اور یہی کیفیات کتاب مقدس توریت اور صحف انبیاء میں بیان ہوئی ہیں۔ میدان تیہ میں بنی اسرائیل کی صحرا نوردی کے دوران ہی سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہو گیا۔

بعد میں یوشع بن نون کی قیادت میں جہاد کی برکت سے حسب وعدہ بنی اسرائیل کو ارض مقدس میں داخلہ بھی مل گیا اور دنیوی جاہ و جلال، دینی قیادت و سیادت بھی انہیں میسر آگئی:

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاءَ وَجَعَلَكُم مُّلُوكًا وَآتَاكُم مَّا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ﴾ (المائدۃ)

اللہ تعالیٰ نے انہیں 8، 9 سو سال اس علاقے میں جمائے رکھا۔ اس دوران میں کئی انقلاب آئے اور یہ قوم انقلابات زمانہ کا نشانہ بنتی رہی۔ حتیٰ کہ 9 سو سال بعد ان میں سیدنا داؤد علیہ السلام جیسا جلیل القدر نبی پیدا ہوا جس نے اس قوم کی قیادت کی اور جالوت جیسے ظالم و جابر بادشاہ کو کیفر کردار تک پہنچایا اور اللہ کے نام کو سربلند کیا۔ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیا۔

عہد نامہ قدیم Old testament کے مطابق سیدنا داؤد u کے زمانے میں یہاں یبوسی قوم آباد تھی، یہ مضبوط دیواروں کے ساتھ قلعہ بند شہر تھا۔ معرکہ طالوت و جالوت جس کا تذکرہ قرآن کریم سورہ البقرہ کی آیات 249 تا 251 میں ہے۔

یہ شہر سیدنا داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں فتح ہوا۔ وہی اس کے بادشاہ بنے۔ اسی لیے اسے شہر داؤد CITY OF DAVID) کہا جاتا ہے کہ موجودہ شہر، جنوب مشرقی دیوار کی طرف باب مغاربہ سے باہر تھا۔

سیدنا داؤد علیہ السلام کی وفات کے بعد سیدنا سلیمان علیہ السلام (961۔ق۔م) بادشاہ بنے، تو انہوں نے اس شہر کو وسعت دی۔

اور سیدنا یعقوب علیہ السلام کی بنائی ہوئی عبادتگاہ مسجد اقصیٰ کی تجدید و تعمیر کرائی اور اس کا بڑا حصہ انہوں نے اپنے ماتحت "جنوں" سے تعمیر کرایا۔ اہل اسلام اسے مسجد اقصیٰ کہتے ہیں۔

مسجد کی تعمیر کے دوران میں ہی سیدنا سلیمان علیہ السلام کا وقت اجل آپہنچا اور وہ سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔

﴿ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ ۖ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ﴾ (سبا:14)

اس ہیکل یا مسجد کی تعمیر سے لے کر آخری نبی سیدنا محمد ﷺ کے درمیان تقریباً 1572 سال کا وقفہ ہے۔ یہ ڈیڑھ ہزار سالہ دور بنی اسرائیل کے عروج و زوال کی جو داستان سناتا ہے وہ اس قوم کے مزاج کو سمجھنے والے کے لیے کسی نتیجے پر پہنچنے کے لیے کوئی زیادہ مغزماری کرنے کی ضرورت نہیں۔

دنیا کی سب سے مستند تاریخ قرآن کریم کی ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ بنی اسرائیل کی شرارتی فطرت، سنگدلی، خونخواری، قتل و غارت کی عادت حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام اور صالح افراد کا سفاکانہ قتل بھی بنی اسرائیل سے سرزد ہوتا رہا۔ اس کی وجہ سے ان پر زوال آتا رہا اور محمد ﷺ کی بعثت تک ڈیڑھ ہزار سالہ بنی اسرائیل کی تاریخ دو بڑے انقلابات کی نذر ہوئی۔

اس کا تذکرہ سورہ بنی اسرائیل کی آیات نمبر 4-7 میں ہوا ہے:

﴿ وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا

كَبِيرًا﴾

بنی اسرائیل کی ریاستوں میں تقسیم اور ہیکل سلیمانی کی پہلی تباہی

سیدنا سلیمان علیہ السلام کا انتقال 926(ق۔م) میں ہوا۔ ان کی وفات کے بعد اسرائیلی باہمی چپقلش کے باعث دو حصوں میں بٹ گئے۔ شمالی فلسطین اور شرق اردن میں دولت اسرائیل کا پایہ تخت "سامریہ" بنا۔ اور جنوبی فلسطین اور ادوم کے علاقے میں سلطنت یہودیہ کا پایہ تخت "یروشلم" بن گیا۔ شمالی فلسطین کی ریاست اسرائیل میں شرک اور اخلاقی بیماریاں عروج پر پہنچ گئیں۔ ان کی اصلاح کے لیے مختلف انبیاء تشریف لاتے رہے۔ مثلاً

سیدنا الیاس ، سیدنا الیسع، سیدنا ہوسیع ، سیدنا عاموس علیہم السلام ودیگر۔ لیکن ان کی پے در پے تنبیہات نے اسرائیلیوں پر کوئی اثر نہیں ڈالا۔ جس کے نتیجے میں 721ق۔م) میں اشوریہ کے سخت گیر بادشاہ سارگون نے سامریہ کو فتح کرکے دولت اسرائیل کا مکمل خاتمہ کر دیا۔

ہزارہا اسرائیلی تہہ تیغ کر دیے گئے اور 27ہزار سے زیادہ اشوری سلطنت کے مختلف علاقوں میں تتر بتر کر دیے اور دوسرے علاقوں سے لا کر غیر قوموں کو اسرائیل کے علاقے میں بسایا گیا۔ جبکہ بنی اسرائیل کی دوسری ریاست جو یہودیہ کے نام سے جنوبی فلسطین میں قائم ہوئی تھی جس کا پایہ تخت یروشلم بنا تھا۔

اس میں بھی وہی بداخلاقیاں راسخ ہو چکی تھیں ان میں سیدنا یسعیاہ اور سیدنا یرمیاہ، سیدنا حنانی، سیدنا میکایاہ، سیدنا یرمیاہ جیسے جلیل القدر انبیاء اصلاح کے لیے تشریف لاتے رہے لیکن ان کی کوششوں کے باوجود اسرائیلی شرک اور دیگر برائیوں سے باز نہ آئے۔ تو اللہ نے ان پر ایک سفاک بادشاہ شاہ بابل بخت نصر کو مسلط کر دیا۔ یہ (598ق۔م) کا زمانہ تھا۔

بخت نصر نے یروشلم سمیت پوری دولت یہودیہ کو اپنے تابع فرمان بنا لیا۔ لیکن بغاوت کے فطری عنصر نے اسرائیلیوں کو چین نہ لینے دیا آخرکار 587ق م میں بخت نصر نے ایک سخت حملہ کرکے یہودیہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی یروشلم اور ہیکل سلیمانی کو اس طرح پیوند خاک کر دیا کہ

اس کی ایک دیوار بھی اپنی جگہ پر کھڑی نہ رہ سکی، اور ان کے مذہبی سرمائے کو آگ لگادی اور 10 لاکھ بنی اسرائیلیوں کو غلام بنا کر اپنے ساتھ عراق لے گیا تھا۔ یعنی سیدنا سلیمان علیہ السلام کے 3 سو 40 سال بعد بیت المقدس یا ہیکل سلیمانی مکمل طور پر مسمار کر دیا گیا تھا۔ یہ تھا بنی اسرائیل کا پہلا فساد اور پہلی سزا جس کا تذکرہ سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر 4 میں کیا گیا:

﴿فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا﴾

"اور ہم نے بنی اسرائیل کے لیے کتاب میں لکھ دیا تھا کہ تم زمین میں دو بار فساد عظیم برپا کرو گے اور بڑی سرکشی دکھاؤ گے۔ پس جب پہلا موقع آیا ہم نے اپنے بندے بھیج دیے جو بڑے جنگجو تھے پس وہ تمہارے اندر گھس کر چاروں طرف پھیل گئے۔ یہ ایک وعدہ تھا، جسے پورا ہونا تھا۔"

☆☆☆

اپنے گھروں کا جائزہ لیجیے

امام ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فكلما كان أهل البيت أكثر قراءة للقرآن، وأكثر مذاكرة للأحاديث، وأكثر ذكرا لله وتسبيحا وتهليلا، كان أسلم من الشياطين وأبعد منها.

وكلما كان البيت مملوءا بالغفلة، وأسبابها من الأغاني والملاهي والقيل والقال، كان أقرب إلى وجود الشياطين المشجعة على الباطل.

"جس گھر والے جتنا زیادہ قرآن پڑھیں گے، پیارے رسول ﷺ کی احادیث کا مذاکرہ کریں گے اور اللہ کے ذکر و اذکار میں مصروف رہیں گے وہ گھر اتنا ہی زیادہ شیطان سے دور اور ان کی آفات و شرور سے محفوظ رہے گا۔

اس کے برعکس جس گھر والے جتنا زیادہ اللہ کے ذکر و اذکار سے غافل و لاپرواہ ہوں گے یعنی گانے بجانے، لہو و لعب اور قیل و قال میں مصروف رہیں گے اس گھر میں اتنا ہی زیادہ شیطانوں کا بسیرا ہو گا۔"

(الفوائد العلمیہ من الدروس البازیہ: 1/142)

☆☆☆

حافظ ابن رجب رحمہ اللہ نے فرمایا:

اللہ کی راہ میں دل کا سفر بدن کے سفر سے زیادہ اہم ہے۔

کتنے ہی مسافر ایسے ہیں جو اللہ کے گھر تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں مگر گھر کے رب سے دور ہوتے ہیں۔

کتنے ایسے بھی ہیں جو اپنے گھروں میں بیٹھے ہیں مگر ان کے دل رب سے جڑے ہوئے ہیں۔

(لطائف المعارف: 2/252)

☆☆☆

شاہ ولی اللہ تقلید حرام کی ایک مثال یہ بھی بیان کرتے ہیں :

ایسے عامی کے لئے بھی تقلید حرام ہے جو فقہاء میں سے کسی ایک فقیہہ (امام) کی تقلید کرتا اور اعتقاد رکھتا ہے کہ اس سے غلطی کا صدور ناممکن ہے اور اس نے جو کچھ کہا ہے وہ یقینا درست ہے۔ اور اپنے دل میں یہ عقیدہ بھی رکھتا ہے کہ وہ اس کی تقلید نہیں چھوڑے گا اگرچہ اس کے امام کے قول کے خلاف دلیل بھی مل جائے۔ یہ تقلید کی وہی قسم ہے جس کی بابت ترمذی میں سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا:

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ﴾(سورۃ التوبہ:13)

یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا۔

نبی ﷺ نے فرمایا: "وہ اپنے علماء کی پوجا پاٹ نہیں کرتے تھے ان کو اپنا رب بنانے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے ان کو یہ حیثیت دے دی کہ جب وہ ان کے لئے کسی چیز کو حلال قرار دے دیتے، وہ اس کو حلال سمجھتے اور جس چیز کو ان کے لئے حرام کر دیتے اس کو وہ حرام سمجھتے۔" (حجۃ اللہ البالغہ حوالہ مذکورہ)

کیا آج کل کے اہل تقلید کا رویہ بالکل ایسا ہی نہیں ہے؟ اور ان کے علماء عوام کو یہی باور نہیں کراتے کہ تمہیں حدیث سے کوئی غرض نہیں بلکہ اسے دیکھنا بھی تمہارے لئے گمراہی ہے، تمہارے لئے بس تمہارے امام کا قول ہی کافی ہے؟

ایک اور مقام پر شاہ صاحب طالبان علم سے خطاب کرتے ہوئے اور انہیں صرف کتاب و سنت کا علم حاصل کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

خضتم كل الخوض فى استحسانات الفقهاء من قبلكم و تفريعاتهم أما تعرفون ان الحكم ما حكمه الله و رسوله. ورب انسان منكم يبلغه حديث من أحاديث نبيكم، فلا يعمل به و يقول: إنما عملي على مذهب فلان، لا على الحديث ، ثم احتال بأنهم فهم الحديث والقضاء به من شأن الكمل المهرة، و ان الأئمة لم يكونوا ممن يخفى عليهم هذا الحديث، فماتركوه إلا لوجه ظهر لهم فى الدين من نسخ أو مرجو حية، اعلموا أنه ليس هذا من الدين فى شيء، ان آمنتم بنبيكم فاتبعوه خالف مذهباً أو وافقه، كان مرضى الحق ان تشتغلوا بكتا ب الله و سنة رسوله ابتداء، فإن سهل عليكم الاخذ بها و نعمت، وان قصرت أفهامكم فا ستعينوا برأى من مضى من العلماء ماتروه أحق وأصرح واوفق بالسنة.

"تم اپنے سے ماقبل فقہاء کے استحسانات و تفریعات پر خوب بحث و تکرار اور غور و غوض کرتے ہو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ حکم تو وہی ہے جو اللہ نے اور اس کے رسول نے دیا ہے اور تم میں سے بہت سارے انسان ایسے ہیں کہ ان کو تمہارے پیغمبر کی کوئی حدیث پہنچتی ہے تو وہ اس پر عمل نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ میرا عمل تو فلاں (امام) کے مذہب پر ہے نہ کہ حدیث پر۔ پھر یہ بہانہ پیش کرتا ہے کہ حدیث کا سمجھنا اور اس کی روشنی میں کسی بات کا فیصلہ کرنا تو کامل اور ماہر لوگوں کا کام ہے (نہ کہ مجھ جیسوں کا) اور (یہ بہانہ بھی کرتا ہے کہ) یہ حدیث آخر اماموں کے سامنے بھی تو رہی ہو گی، جب انہوں نے اس کو چھوڑ دیا تو ان کے نزدیک کوئی وجہ ہو گی، یا تو ان کے نزدیک منسوخ ہو گی یا مرجوح۔ اچھی طرح جان لو! اس رویے کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر تم اپنے نبی پر ایمان لائے ہو، تو اس کی پیروی بھی کرو، چاہے اس کی بات (تمہارے) مذہب کے خلاف ہو یا موافق۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی یہی ہے کہ تم سب سے پہلے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کے ساتھ اشتغال رکھو (ان کو اپنے فکر و نظر اور اخذ و استفادہ کا محور بناؤ) اگر ان سے آسانی کے ساتھ اخذ مسائل کر لو تو فبھا، اور اگر اس میں کچھ دقت پیش آئے تو ما قبل کے علماء سے مدد حاصل کرو (ان کی شروحات اور فقہ الحدیث پر مبنی کتابوں سے استفادہ کرو) اور ان کی اس رائے کو قبول کرو جو زیادہ صحیح، صریح اور سنت کے زیادہ موافق ہے۔) (التفہیمات الالٰھیہ:1/ 283 ؛ تفہیم نمبر 69)

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اسی تفہیم میں اس سے کچھ پہلے لکھتے ہیں :

واشهد لله بالله انه كفر بالله أن يعتقد فى ر جل من الأمة ممن يخطى ويصيب أن الله كتب علي اتباعه حتماً - و إن

الواجب عليّ هوالذی يوجبه هذا الرجل، ولكن الشر يعة الحققة قد ثبت قبل هذا الرجل بزمان، قد وعاها العلماء، و اداها الرواوة و حكم بها الفقهاء وإنما اتفق الناس على تقليد العلماء على معنى أنهم رواة الشر يعة عن النبی ﷺ و انهم علموا مالم يعلم، و انهم اشتغلوا بالعلم ما لم نشتغل، فلذلك قلدوا العلماء فلو أن حد يثاً صح، و شهد بصحته المحدثون ، و عمل به طوائف، فظهر فيه إلا مر ثم لم يعمل به هو، لان متبوعه لم يقل به، فهذا هو الضلال البعيد .

”میں اللہ کی قسم کھا کر گواہی دیتا ہوں کہ امت کے کسی آدمی کے بارے میں، جس کی رائے میں خطا اور صواب دونوں کا امکان ہے، یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ نے اس کی پیروی کرنے کو میرے لئے لازمی کر دیا ہے اور مجھ پر وہ چیز واجب ہے جو یہ شخص مجھ پر واجب کر دے، کفر ہے۔ شریعت حقہ تو اس آدمی (امام) سے بہت پہلے ہی ثابت ہو چکی ہے جسے علماء نے محفوظ رکھا ہے۔ راویوں نے اسے آگے لوگوں تک پہنچایا ہے اور فقہاء نے اس کے ساتھ فیصلے کئے ہیں۔ البتہ لوگوں نے علماء کی تقلید (پیروی) پر صرف اسلئے اتفاق کیا ہے کہ وہ نبی ﷺ سے شریعت کے بیان کرنے والے ہیں۔ ان کے پاس جو علم ہے اس سے ہم نا آشنا ہیں اور وہ علم میں مشغول رہتے ہیں جب کہ ہماری مشغولیات دوسری قسم کی ہیں اس لئے لوگوں نے علماء کی تقلید (پیروی) کی ہے، تاہم اگر کوئی حدیث صحیح آجائے، جس کی صحت کی گواہی محدثین نے دی ہو اور مختلف گروہوں نے اس پر عمل بھی کیا ہو، جسکی وجہ سے معاملے میں کوئی اشتباہ نہ رہا ہو، لیکن پھر بھی وہ شخص اس (حدیث) پر عمل نہ کرے، اسلئے کہ اس کا امام اس کا قائل نہیں ہے تو یہ بہت ہی دور کی (بڑی) گمراہی ہے۔) (تفہیمات الالہیہ: 1/279؛ مطبوعہ 1970ء)

اہل تقلید کے اس رویے کے بارے میں اور بھی متعدد علماء نے اسی قسم کے خیالات کا اظہار فرمایا ہے جن کا اظہار مذکورہ سطور میں کیا گیا ہے۔ ان سب کی تفصیل یہاں ضروری نہیں ہے۔ اہل علم ان سے باخبر ہیں۔ تاہم یہاں جناب اشرف علی تھانوی کے بھی دو اقتباسات پیش کرنے مناسب معلوم ہوتے ہیں، ان میں انہوں نے اہل تقلید کے اس رویے کا اعتراف بھی کیا ہے اور اس پر سخت افسوس کا اظہار بھی۔ جناب تھانوی اپنے ایک مکتوب میں، جو انہوں نے جناب رشید احمد گنگوہی کے نام تحریر کیا، لکھتے ہیں:

”اکثر مقلدین عوام بلکہ خواص اس قدر جامد ہوتے ہیں کہ اگر قول مجتہد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث کان میں پڑتی ہے (تو) ان کے قلب میں انشراح وانبساط نہیں رہتا، بلکہ اول استنکار قلب میں پیدا ہوتا ہے پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے۔ خواہ کتنی ہی بعید ہو، اور خواہ دوسری دلیل قوی اس کے معارض ہو بلکہ مجتہد کی دلیل اس مسئلہ میں بہ جز قیاس کے کچھ بھی نہ ہو بلکہ خود اپنے دل میں اس تاویل کی وقعت نہ ہو مگر نصرتِ مذہب کے لئے تاویل ضروری سمجھتے ہیں۔ دل یہ نہیں مانتا کہ قول مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیح صریح پر عمل کر لیں۔ بعض سنن مختلف فیہا مثلاً آمین بالجہر وغیرہ پر حرب وضرب کی نوبت آجاتی ہے اور قرون ثلاثہ میں اس کا شیوع بھی نہ ہوا تھا بلکہ کیف ما اتفق، جس سے چاہا مسئلہ دریافت کر لیا، اگرچہ اس امر پر اجماع نقل کیا گیا ہے کہ مذاہب اربعہ کو چھوڑ کر مذہب خاص مستحدث کرنا جائز نہیں، یعنی جو مسئلہ چاروں مذہبوں کے خلاف ہو اس پر عمل جائز نہیں کہ حق دائر و منحصر ان چار میں ہے، مگر اس پر بھی کوئی دلیل نہیں، کیونکہ اہل ظاہر ہر زمانہ میں رہے اور یہ بھی نہیں کہ سب اہل ہوی ہوں وہ اس اتفاق سے علیحدہ رہے، دوسرے اگر اجماع ثابت بھی ہو، مگر تقلید شخصی پر تو کبھی اجماع بھی نہیں ہوا۔“ (تذکرۃ الرشید: 1/131؛ ادارہ اسلامیات لاہور 1986ء)

اسی مکتوب میں جناب تھانوی نے لکھا ہے:

تقلید شخصی کہ عوام میں شائع ہو رہی ہے اور وہ اس کو علماً اور عملاً اس قدر ضروری سمجھتے ہیں کہ تارک تقلید سے، گو کہ اس کے تمام عقاید موافق کتاب و سنت کے ہوں، اس قدر بغض و نفرت رکھتے ہیں کہ تارکین صلاۃ فساق و فجار سے بھی نہیں رکھتے، اور خواص کا عمل و فتوی وجوب اس کا مؤید ہے۔ (حوالہ مذکور، وصفحہ مذکور)

جناب اشرف علی تھانوی ایک اور مقام پر تقلید و عدم تقلید کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”بعض مقلدین نے اپنے آئمہ کو معصوم عن الخطا ومصیب وجوباً و مفروض الاطاعۃ تصور کر کے عزم بالجزم کیا کہ خواہ کیسی ہی حدیث صحیح مخالف قول امام کے ہو اور مستند قول امام کا بہ جز قیاس امر دیگر نہ ہو، پھر بھی بہت سی علل و خلل حدیث میں پیدا کر کے یا اس کی تاویل بعید کر کے حدیث کو رد کریں گے اور قول امام کو نہ چھوڑیں گے۔ ایسی تقلید حرام اور مصداق قولہ تعالیٰ:

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ﴾ (سورۃ التوبہ: 13)

اور خلاف وصیت آئمہ مرحومین کے ہے۔ (امداد الفتاوی: 5/ 297؛ مکتبہ دار العلوم کراچی طبع جدید 2004ء)

اس قسم کی تقلید جامد کو، جس کا تذکرہ مذکورہ اقتباسات میں کیا گیا ہے، جناب محمود حسن دیوبندی

نے بھی کفر سے تعبیر کیا ہے۔

چنانچہ وہ ایضاح الادلہ میں تقلید کے اثبات پر گفتگو کر تے ہوئے لکھتے ہیں :

تمام نصوص رد تقلید سے اس تقلید کا بطلان ثابت ہو تا ہے کہ جو تقلید بہ مقابلہ تقلید احکام خدا اور رسول خدا ہو اور ان کے اتباع کو اتباع احکام الٰہی پر ترجیح دے، سو پہلے کہہ چکا ہوں کہ اس تقلید کے مردود و ممنوع، بلکہ کفر ہونے میں کس کو کلام ہے۔ (ایضاح الادلہ: ص 113 ؛مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی 1999ء اوراضافہ شدہ مع حاشیہ جدیدہ ایڈیشن کا صفحہ 223۔ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ)

ان اقتباسات سے یہ تو واضح ہے کہ

کسی امام کی اس انداز سے تقلید کرنا کہ صحیح اور واضح حدیث کے سامنے آجانے کے بعد بھی قول امام ہی کو ترجیح دینا اور اس کے مقابلے میں صحیح حدیث کو چھوڑ دینا ممنوع، حرام۔

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ﴾(سورۃ التوبہ:13) کا مصداق اور بقول صاحب ایضاح الادلہ، کفر ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مروجہ تقلید اس سے مختلف ہے یا وہ اسی ذیل میں آتی ہے جس کی مذمت و حرمت پر سب کا اتفاق ہے ؟

اہل تقلید کا دعوی ہے کہ ہمارا وہی طریقہ ہے جو عہد صحابہ و تابعین میں تھا، یعنی جس شخص کو مسئلے کا علم نہ ہو تا تھا وہ کسی بھی صاحب علم سے دریافت کر لیتا تھا۔ تین سو سال سے زیادہ عرصے تک یہی طریقہ رائج تھا، یہ طریقہ ظاہر بات ہے بالکل صحیح بھی ہے اور ناگزیر بھی۔ کیونکہ ہر شخص تو ماہر شریعت نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ بے خبر شخص، باخبر شخص سے پوچھے۔ بے علم، عالم سے دریافت کرے اور کم علم والا اپنے سے زیادہ علم رکھنے والے کی طرف رجوع کرے۔ یہ معاملہ شریعت ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے، ہر علم و فن کا معاملہ یہی ہے۔

شرعی مسائل واحکام معلوم کرنے کا بھی یہی طریقہ ہے اور عوام کے لئے اس کے بغیر چارہ نہیں۔ لیکن اس میں دو باتیں ضروری ہیں اور صحابہ و تابعین کے زمانے میں ان دونوں باتوں کا پورا اہتمام موجود تھا۔

1۔ پوچھنے والا صرف اللہ اور اس کے رسول کے احکام پوچھتا تھا، اس کے علاوہ اس کے ذہن میں کچھ اور نہیں ہو تا تھا۔

2۔ بتانے والا بھی اپنے علم کی حد تک اللہ اور اس کے رسول کے احکام ہی بتلاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ اگر اسے مسئلے کا علم نہ ہو تا تو وہ سائل کو کسی اور کی طرف بھیج دیتا، یا اپنی سمجھ کے مطابق بتلاتا، پھر اسے اس کے مطابق حدیث مل جاتی تو خوش ہو تا کہ اللہ تعالی نے اس کے منہ سے صحیح بات نکلوائی اور اگر اسے اسکے خلاف حدیث مل جاتی تو فوراً اپنی بات سے رجوع کر لیتا۔

خیر القرون کا یہی طریقہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے پوری تفصیل سے، حجۃ اللہ البالغہ، اور اپنی بعض دیگر کتابوں میں بیان کیا ہے حتی کہ جناب اشرف علی تھانوی نے بھی امداد الفتاوی (جلد 5۔ ص294۔300) میں اس کی بابت یہی تفصیل بیان کی ہے۔ اس طریقے کو اصطلاحی طور پر تقلید نہیں کہا جاتا، کیونکہ تقلید کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی۔ تقلید تو کسی کی بات کو بغیر دلیل کے ماننے کا نام ہے۔

علاوہ ازیں تقلید حرام میں یہ بات بھی داخل ہے کہ ماننے والا (مقلِد) مقلد (امام وغیرہ) سے دلیل کا مطالبہ نہیں کر سکتا جب کہ ایک عام شخص جب کسی عالم سے کوئی مسئلہ پوچھتا ہے یا کسی مفتی سے فتوی طلب کرتا ہے تو اس کے پیش نظر اللہ اور اس کے رسول کا حکم معلوم کرنا ہو تا ہے، اسی لئے وہ اس کی دلیل بھی، بوقت ضرورت پوچھ لیتا ہے اور پوچھ سکتا ہے، یا اس کی بتلائی ہوئی دلیل سے اس کی تشفی نہیں ہوتی تو وہ کسی اور عالم یا مفتی سے پوچھ لیتا ہے۔

اس طریقے میں عالم اور مفتی بھی قرآن وحدیث کی روشنی ہی میں مسئلے کی وضاحت کرتا ہے، کسی مخصوص فقہ کو سامنے نہیں رکھتا۔

یہ طریقہ اقتداء اور اتباع کہلاتا ہے کیونکہ اس میں اصل جذبہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی پیروی کرنے کا ہو تا ہے۔

چوتھی صدی ہجری سے پہلے تک تمام مسلمان عوام وخواص، جاہل وعالم، اسی طریقے پر کاربند تھے۔ لیکن جب چوتھی صدی میں فقہی مذاہب کو فروغ حاصل ہوا، اور محدثین اور ان کے ہم مسلک لوگوں کے علاوہ دوسروں نے اپنے آپ کو کسی نہ کسی مذہب سے وابستہ کر لیا تو مذکورہ طریقہ صرف محدثین اور ان کی روش پر چلنے والوں تک محدود ہو گیا اور دوسروں کے ہاں ایک مخصوص فقہ کی پابندی ضروری ہو گئی اور ان کے عوام وخواص سب ہی نے صحابہ و تابعین کے طریقے کو چھوڑ دیا اور تقلید کو واجب قرار دے دیا، جس کا مطلب ہی یہ تھا اور ہے کہ اب براہ راست قرآن وحدیث سے اخذ مسائل کی ضرورت نہیں حتی کہ علماء ومفتیان بھی اپنے عوام کو قرآن وحدیث کے مطابق مسائل بتلانے کے پابند نہیں۔ وہ پابند ہیں تو صرف اس بات کے کہ ان کی مخصوص فقہ میں کیا درج ہے ؟ اس کی روشنی میں یہ جائز ہے یا ناجائز؟

یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے عوام کو احادیث کی کتابوں کے مطالعہ سے روکتے ہیں اور کئی مفتی حضرات تو اس حد تک جسارت کرتے ہیں کہ اسے گمراہی قرار دیتے ہیں۔

افتراق امت کے المیے کا اصل نقطہ آغاز بھی یہی ہے، ورنہ قرآن وحدیث کے فہم و تعبیر کا یا اجتہاد و استنباط کا کچھ نہ کچھ اختلاف تو صحابہ و تابعین میں بھی تھا۔ یہ اختلاف محدثین کے درمیان بھی تھا اور ان

کے مسلک و منہج کے پیروکار عاملین بالحدیث کے درمیان بھی ہے۔ لیکن یہ اختلاف فہم و تعبیر کا ہے یا استنباط واجتہاد کا یا پھر اس کا مبنی حدیث کی صحت و ضعف کا اختلاف ہے جیسے صحابہ میں اختلاف کی ایک وجہ کسی حدیث سے بے خبری یا اس کے نسخ یا عدم نسخ سے لاعلمی بھی تھی۔ یہ اختلاف افتراق امت کا باعث نہیں، اسی لئے صحابہ و تابعین کا دور، اختلافات کے باوجود، فرقہ بندیوں سے پاک تھا۔

بنابریں اہل تقلید کا یہ دعوی کہ

ہماری تقلید وہ نہیں جس کو ممنوع اور حرام کہا گیا ہے، بلکہ ہمارا طریقہ تو وہی ہے جو صحابہ و تابعین کا تھا، کس طرح درست قرار دیا جا سکتا ہے، جب کہ دونوں طریقے فکر و منہج سے لے کر مقصد و مدعا تک ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہیں اور ان کے درمیان اتنی وسیع خلیج حائل ہے کہ جس کا پاٹنا بظاہر نہایت مشکل ہے،إلّا أن يشاء الله۔

اس دعوی کے ردّ میں یا دونوں نقطہ ہائے نظر کے فرق واختلاف پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے اور تقلید کے وہ متعدد نمونے بھی پیش کئے جا سکتے ہیں جن میں فقہ کے مقابلے میں صحیح احادیث کو نظر انداز کیا گیا ہے یا ان میں دور از کار تاویلیں کی گئی ہیں، لیکن اس طرح بات بہت لمبی ہو جائے گی تاہم وضاحت کے لئے چند مثالیں بیان کرنا ضروری ہے تا کہ ہمارے اس دعوی کی دلیل سامنے آ جائے کہ اہل تقلید جس تقلید کی مذمت کرتے ہیں عملاً وہ اسی کے قائل ہیں۔ ایسی تقلید حرام کی عملی مثالیں بھی موجود ہیں۔ مثلاً جناب محمود حسن دیوبندی ایک مسئلے میں فرماتے ہیں:

"الحق والانصاف أن الترجيح للشافعي في هذه المسئلة، و نحن مقلدون يجب علينا تقليد إمامنا أبي حنيفة." (التقرير للترمذي: ص39 مکتبہ رحمانیہ لاہور)

حق وانصاف کی بات یہی ہے کہ (احادیث و نصوص کے اعتبار سے اس مسئلہ خیار مجلس) میں امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے کو ترجیح حاصل ہے لیکن ہم مقلد ہیں، ہم پر اپنے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید ہی واجب ہے۔

اسی ذیل میں بعض وہ تبدیلیاں بھی آتی ہیں جو نصوص حدیث میں محض اس لئے کی گئی ہیں کہ ان کے معمول بہ مسائل کا اثبات ہو سکے، جیسے مسند حمیدی میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جو اثبات رفع الیدین میں واضح ہے لیکن الفاظ کے معمولی ردو بدل سے اسے عدم رفع الیدین کی دلیل بنا دیا گیا ہے۔ اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ کی ایک روایت اور سنن ابو داؤد کی ایک روایت میں کیا گیا۔

ان کی تفصیل بہ وقت ضرورت پیش کی جا سکتی ہے (بعض کا ذکر ہماری اس کتاب میں ہو چکا ہے۔ بہاء)۔

حتی کہ تقلیدی جمود کا یہ نقشہ بھی سامنے آیا کہ اثبات تقلید کے جوش میں قرآن مجید کی ایک آیت میں، وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ کا اضافہ کر دیا گیا۔ اسے کتابت کی غلطی اس لئے نہیں سمجھا جا سکتا کہ استدلال کی ساری بنیاد ہی اس اضافی ٹکڑے پر ہے۔

(دیکھیں ایضاح الادلہ: ص 215-216)

ایک اور صاحب نے قرآن مجید کی ایک آیت میں لفظی و معنوی تصرف کر کے عدم رفع الیدین کو، ثابت، کر دکھایا ہے۔

(ملاحظہ ہو تحقیق مسئلہ رفع الیدین از ابو معاویہ صفدر جالندھری، ابو حنیفہ اکیڈیمی فقیر والی ضلع بہاولنگر۔ تاریخ اشاعت ندارد)

آج اس فقہی توسع کی ضرورت ہے جس کی بعض مثالیں جناب عبدالحی لکھنوی وغیرہ کے طرز عمل میں ملتی ہیں جس میں نصوص شریعت کی بالادستی قائم رہتی ہے، نہ کہ اس فقہی جمود کی جس کی کچھ مثالیں عرض کی گئی ہیں، جس کے عدم جواز میں کوئی اختلاف نہیں، بلکہ ان کی اپنی صراحت کے مطابق اس میں کفر تک کا اندیشہ پایا جاتا ہے۔

علمائے اسلام اور مفتیان دین متین کو کون سی راہ اختیار کرنی چاہیے، یا ان کا منصب عظیم کس راہ کو اپنانے کا تقاضا کرتا ہے؟ اس کی وضاحت یا فیصلہ کوئی مشکل امر نہیں۔

﴿فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ﴾ (الانعام: 81)

"دونوں فریقوں میں سے کون امن و سلامتی کا زیادہ مستحق ہے، اگر تم علم رکھتے ہو۔" (جاری ہے)

☆☆☆

ابو حامد المقرئ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

«..... الفرقة الناجية هي الفرقة الموسومة بأهل الحديث وأن من خالفها هي الهالكة و إن كان من أهل هذه الفرقة فهي الناجية.فكن منها تنج برحمة الله، ولا تفارقها فتهلك بخذلان الله»

(جزء فی بیان الفرقة الناجیة من النار و بیان فضیلة اهل الحدیث علی سائر المذاهب ومناقبهم لأبي حامد المقرئ: 29-30)

"..... فرقہ ناجیہ یہی فرقہ ہے جسے اہل حدیث کہا جاتا ہے، جو کوئی بھی اس فرقے کی مخالفت کرے گا وہ ہلاک ہونے والا فرقہ ہے، اور جو اس فرقے میں سے ہوا وہی نجات پانے والا ہے، تم اس فرقے میں شامل ہو جاؤ، اللہ کی رحمت سے نجات پا جاؤ گے، اس فرقے سے جدا نہ ہو مبادا کہ اللہ کے رسوا کر دینے سے ہلاک ہو جاؤ۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اہل حدیث صرف محدثین رحمہم اللہ کو نہیں کہا جاتا، کیوں کہ کوئی بھی عالم سب کے لیے محدث بننا واجب قرار نہیں دیتا نہ ہی نجات کا مدار محدث بننے پر ہے۔

نیز اس سے معلوم ہوا کہ اہل حدیث بہت پرانا قدیم فرقہ ہے بلکہ یہی وہ گروہ ہے جو بدعات کے ظہور کے دور سے سلف کے منہج پر چلتا آ رہا ہے

☆☆☆

- **دعوت و تبلیغ ہر امتی کی ذمہ داری ہے، مولانا حافظ محمد شریف احمد**
- یہ تربیتی اجتماعات تذکیر و یاد دہانی کے لیے ہیں تاکہ ہم اس سے ایمان کی تجدید کریں۔ مولانا محمد ابراہیم میرپوری
- حلالہ کرانا دنیا و آخرت میں ذلت وخواری ہے۔ مولانا عبد الہادی
- **دنیا میں بہترین جوڑی رسول کریم ﷺ اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ہے اور بدترین جوڑی ابولہب اور اس کی بیوی کی ہے۔ ڈاکٹر صہیب حسن**
- آپ اچھی تربیت کر کے اپنی اولاد کو باقیات الصالحات بنا سکتے ہیں۔ مولانا حفیظ اللہ خان المدنی
- ہم نے کسی کو قرض دینا ہے یا لینا ہے تو وہ لکھ لینا چاہیے، اہل و عیال کو بھی بتا دینا چاہیئے۔ قاری ذکاء اللہ سلیم

"میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا ہے، تو اس کا گواہ رہ۔"

عرفات کے میدان میں اس آیت کریمہ کا نزول ہوا۔

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (سورۃ المائدہ:3)

"آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا۔"

دین اسلام مکمل دین ہو، خواہ تجارت ہو کہ سیاست، معاشرت ہو کہ معیشت، اخلاق ہو کہ معاملات، ہر اعتبار سے اس میں کسی اضافہ کی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن و حدیث کے ترجمے ہمارے پاس موجود ہیں، ہم ان کو پڑھیں اور عمل کریں، ہم کتنی تبلیغ کیے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:«لا تسودوا وجهي يوم القيامة» (سنن ابن ماجہ)

"میرا چہرہ قیامت کے دن کالا مت کرو۔"

ہر امت محمدی کی یہ ذمہ داری ہے کہ یہ ذمہ داری پوری کرے۔

پاکستان سے تشریف لائے ہوئے مخلص داعی اور اسکالر مولانا محمد شریف صاحب المدنی جامع مسجد اہل حدیث اولڈھم کے سالانہ تربیتی اجتماع میں خطاب کرتے ہوئے ان خیالات کا اظہار کیا۔

امیر مرکزی جمعیۃ اہل حدیث برطانیہ مولانا محمد ابراہیم میرپوری نے تربیتی اجتماع کی اہمیت بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں 60 سال سے امامت و خطابت کے فرائض ادا کر رہا ہوں، مگر پھر بھی یہ تربیتی اجتماع تذکیر و یاد دہانی کے لیے ہیں تاکہ اس سے ایمان کی تجدید ہو سکے۔

صدر مجلس القضاء الاسلامی مولانا محمد عبد الہادی العمری نے 'طلاق و خلع اور فسخ' پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اسلام میں جہاں مرد کو طلاق کا اختیار ہے وہیں عورت کو خلع کا اختیار ہے، کرسچنوں میں طلاق کا تصور نہیں تھا، اب انہوں نے اس کا اضافہ کیا ہے، طلاقوں کی کثرت کا ایک سبب ہم اپنی بیٹی کو ایک آنکھ سے دیکھتے ہیں اور بہو کو دوسری آنکھ سے دیکھتے ہیں، ہمارا دوہرا معیار ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:«خيركم خيركم لأهله وأنا خيركم لأهلي»

"تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ بہترین ہو اور میں اپنی بیوی کے ساتھ بہترین ہوں۔"

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 226 کی آیت میں کہا گیا کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے قسمیں کھائیں، ان کے لیے چار مہینے کی مدت ہے پھر اگر وہ لوٹ آئیں، تو اللہ تعالیٰ بھی بخشنے والا ہربات ہے، ہمارے ہاں آٹھ دس سال چھوڑ دیتے ہیں، نہ ہی رجوع کرتے ہیں اور نہ ہی طلاق دے کر فارغ کرتے ہیں! طلاق کا مسئلہ بہت ہی نازک مسئلہ ہے۔

ہمیں چاہیے کہ متقی و پرہیزگار عالم سے مسئلہ دریافت کریں ورنہ عموماً حلالہ کا فتویٰ دے کر ہماری بیٹیوں بہنوں کی عزت تار تار کرتے ہیں اور دنیا و آخرت میں ذلت وخواری کا سبب بنتے ہیں۔

شریعہ کونسل لندن کے صدر مولانا ڈاکٹر صہیب حسن نے نکاح پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ دنیا میں میاں بیوی کا بہترین نمونہ سیدنا محمد ﷺ اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں اور بدترین نمونہ ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل کا ہے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾ (سورۃ الروم:21)

"اور اس کی نشانیوں میں سے تمہاری ہی جنس کی بیویاں پیدا کرنا ہے تاکہ تم ان سے آرام پاؤ اس نے تمہارے درمیان محبت اور مہربانی قائم کر دی، یقیناً غور و فکر کرنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔"

اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لا نكاح إلا بولي و شاهدين»

"نکاح ولی اور دو گواہوں کے بغیر منعقد نہیں ہوتا۔"

اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر نکاح کا پیغام آئے اور لڑکے کا دین اور اس کے اخلاق اچھے ہوں تو آپ اس پیغام کو قبول کر لو، اگر نہ کروگے تو زمین میں بہت بڑا فتنہ برپا ہوگا۔

نائب امیر مرکزی جمعیۃ اہل حدیث برطانیہ مولانا محمد حفیظ اللہ خان المدنی نے 'تربیت اولاد' پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اولاد یقیناً ایک نعمت ہے جیسا کہ

سورۂ کہف میں ارشاد ہوا:
﴿الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾(سورۃ الکہف:46) "مال اور اولاد تو دنیا کی ہی زینت ہے۔"
اور سورۂ توبہ میں ارشاد ہے: ﴿فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ﴾ آپ ﷺ کو ان کے اموال واولاد تعجب میں نہ ڈال دیں۔"
آپ اچھی تربیت کرکے اپنی اولاد کو باقیات صالحات بناسکتے ہیں اور اگر ایسانہ کروگے تو دنیا میں وبال جان اور قیامت میں عذاب الیم کاذریعہ ہوگی!
یہاں کی آبادی میں مسلمان اقلیت ہی ہے اور جیل میں اکثریت ہے۔ آج ہماری اولاد چاروں طرف سے شیطان کے چنگل میں ہے، بچوں کی تربیت ہمیں ماں کے پیٹ سے کرنی چاہیئے جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعامانگی: ﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ﴾ "اے اللہ! مجھے نیک اولاد بخش۔"
آج ہمارے بچوں میں الحاد اور جنس پرستی آرہی ہے۔ ماں باپ کا آپس میں اختلاف بھی بچوں کے بگاڑ کا سبب ہے، اس لیے والدین خود نیک بنیں اور اولاد کو بھی نیک بنائیں۔

امام وخطیب مسجد گرین لین برمنگھم، مولانا قاری ذکاء اللہ سلیم نے 'وصیت' پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ....﴾(سورۃالنساء:11)
"اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو انہیں مال متروکہ کا دو تہائی ملے گا۔ اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لئے آدھا ہے اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے، اگر اس (میت) کی اولاد ہو، اور اگر اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوتے ہوں تو اس کی ماں کے لئے تیسرا حصہ ہے، ہاں اگر میت کے کئی بھائی ہوں تو پھر اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے۔ یہ حصے اس وصیت (کی تکمیل) کے بعد ہیں جو مرنے والا کرگیا ہو یا ادائے قرض کے بعد، تمہارے باپ ہوں یا تمہارے بیٹے تمہیں نہیں معلوم کہ ان میں سے کون تمہیں نفع پہچانے میں زیادہ قریب ہے، یہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں بے شک اللہ تعالیٰ پورے علم اور کامل حکمتوں والا ہے۔"
اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی زندگی میں وصیت کرنا چاہتا ہو تو فوری عمل کرے، تین راتیں بھی ایسی نہ گزاریں۔
تو اس کی وصت اس کے پاس لکھی ہوئی ہونی چاہیے۔ مغربی ممالک میں وصیت لکھنا بہت ہی ضروری ہے کیونکہ ان ممالک میں سولیٹیرز کے ذریعے جو وصیت لکھائی جاتی ہے، اس کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، بغیر سولیٹرز کے سادہ کاغذ پر ہم وصیت لکھ لیں تو اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، یہ کہنا کہ میرے بچے دیندار ہیں، انہیں احکام ومسائل معلوم ہیں اور وہ شریعت کے مطابق ہی تقسیم کرلیں گے، کہنا غیر ضروری ان پر اعتماد کرنا ہے، سیدنا یعقوب علیہ السلام کے بچوں میں حسد آسکتا ہے تو ہم کس کھیت کے مولی؟ دوسری بات یہ ہے کہ آپ کس سے کچھ قرض لیتے ہیں تو وہ اہل وعیال کو بتادیں۔ عموماً ہمارے معاشرہ میں قرض دیتے ہیں یا لیتے ہیں مگر اس کو لکھن لینے کارواج نہی ہے اور انتقال کے بعد اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مرحوم کا مجھ پر اتنا قرض تھا تو وہ کہے گا، اس کا کیا ثبوت ہے؟ چونکہ ہم لکھائی پڑھائی نہیں کرتے ہیں، اس لیے اس کا ثبوت کہاں سے لائیں گے، جس کے نتیجے میں ہمارے مرحوم کو عذاب دیا جائے گا، اس لیے کسی کو قرضہ دینا ہے یا کسی کا قرضہ لینا ہے تو وہ زندگی میں صاف صاف اہل وعیال کو بتا دینا چاہیے اور اس کی لکھائی پڑھائی کرلینی چاہیے۔ قرض سے متعلق آیت کو آیت دین کہا جاتا ہے اور اس کی اتنی زیادہ اہمیت ہے کہ یہ قرآن حکیم کی سب سے بڑی آیت ہے! مگر ہم لکھائی پڑھائی سے اتنی ہی زیادہ غفلت برتتے ہیں!
ایک ضروری بات یہ ہے کہ اگر کسی کو وصیت کرنا ہو تو وہ کرسکتے ہیں مگر وہ وارث کے لیے وصیت نہ کریں کیونکہ اللہ عزوجل نے ان کے لیے حصہ مقرر کیا ہے۔ حدیث میں کہا گیا ہے: «لا وصية لوارث» کہ وارث کے لیے وصیت نہیں ہے، جنازہ کس مسجد میں پڑھایا جائے؟ کون پڑھائے؟ کہاں تدفین عمل میں آئے؟ فاتحہ، سوم، ساتواں، دسواں، چالیسواں، برسی ان تمام چیزوں سے وصیت میں منع کردیا جائے، اس لیے کہ یہ بدعات اور ہندوانہ رسومات ہیں، اسلام سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ عموماً ایسی چیزوں کی وصیت نہیں کی جاتی، مرنے کے بعد جہلاء کی اکثریت شرک وبدعات کے کام کرکے اہل توحید وسنت کو دلی صدمہ پہنچائے۔

بانی مسجد شبلی بریڈفورڈ مولانا منیر قاسم نے 'صداقت' پر اور خطیب گلاسگو مولانا محمد ادریس مدنی نے 'اتحاد واتفاق' اور برادر صہیب حسن مدنی گلاسگو نے بہترین خطاب کیے۔ ناظم اعلیٰ حافظ حبیب الرحمٰن جہلمی، حافظ شریف اللہ شاہد، ابوحمنہ قاری ذکاء اللہ سلیم اور عبد الباسط العمری نے نظامت کے فرائض انجام دیئے۔ حافظ حذیفہ یاسر، حافظ عطاءاللہ کانفرنس میں تلاوت قرآن سے کانفرنس کو منور کیا۔ جناب اقبال بھٹی، مولانا شفیق الرحمٰن شاہین، مولانا محمد عبد الکریم ثاقب مدنی المعروف برادر ثاقب، حافظ ذکریا سعود، مولانا شعیب احمد میرپوری، مولانا عبد الستار عاصم، مولانا جمال انور مدنی، برادر حافظ حذیفہ شفیق الرحمٰن مدنی، حافظ عمار عبد الہادی انجینئر، مولانا محمود الحسن اسد، اور دیگر علمائے کرام نے شرکت کی۔ منتظمین مسجد نے مہمانوں کو دل کھول کر خدمت کی اور مہمانوں سے دعائیں لیں۔ یہ کانفرنس ظہر سے قبل 12 بجے سے شروع ہوئی اور رات 8 بجے تک جاری رہی۔ بعد ازاں مولانا حافظ شریف احمد مدنی اور ڈاکٹر صہیب حسن لندن نے علمائے کرام سے خصوصی طور پر تربیتی نقطۂ نظر سے خطاب کیا اور بعد طعام اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔ اللہ کریم منتظمین وحاضرین اور علمائے کرام اور قائدین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین